PHONE : 7500

قرآنی نظام ربوبیت کا پیامبر

طلوع اسلام

مئی سنہ ۱۹۵۹ء

کنونشن نمبر

دیکھنا تقریر کی لذت...

شائع کردہ:

ادارہ طلوع اسلام ۲۵ بی۔ گلبرگ لاہور

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ماہنامہ طلوعِ اسلام (لاہور)

بدلِ اشتراک	قیمت فی پرچہ	ٹیلیفون: ۵۰۰۰۷
(ہن)دوستان اور پاکستان سے : آٹھ روپے (غ)یر ممالک سے : ۱۴ شلنگ	ہند و پاکستان سے بارہ آنے	خط و کتابت کا پتہ: ناظم ادارہ طلوع اسلام ۲۵ - بی - گلبرگ کالونی - لاہور

جلد ۱۲	مئی سنہ ۱۹۵۹ء	نمبر ۵

فہرست مضامین

لمعات		۲ — ۵
روئیداد طلوع اسلام کنونشن	(محترم صفدر سلیمی صاحب)	۶ — ۱۶
پیامِ فصلِ بہار - خطاب	(محترم پرویز صاحب)	۱۷ — ۵۲
استقبالیہ	(محترم چوہدری عبدالرحمٰن صاحب)	۵۳ — ۵۶
رپورٹ	(ناظم ادارہ طلوع اسلام)	۵۷ — ۶۴
گوشوارہ پیشکش برائے طباعت لغات القرآن و مفہوم القرآن		۶۵ — ۶۹
بقیہ روئیداد کنونشن		۷۰ — ۷۴
فہرست شرکاء (مندوبین و مبصرین)		۷۵ — ۸۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

جیسا کہ قارئین کو معلوم ہے طلوع اسلام نہ کسی سیاسی پارٹی کا ترجمان ہے نہ کسی فرقہ کا نقیب۔ قرآنی فکر کی نشر و اشاعت کا ذریعہ ہے جو پارٹیوں اور فرقوں کی غیر اسلامی تقسیم و تفریق سے بلند ہو کر، ملت کے سامنے اس دین (نظامِ زندگی) کا تصور پیش کرتا ہے جسے قرآن کریم نے انسانی معاشرہ کی تشکیل کے لئے متعین کیا اور محمد رسول اللہ والذین معہٗ نے جسے عملاً متشکل کر کے دکھایا۔

جب قائد اعظم مرحوم، حکیم الامت حضرت علامہ اقبال (علیہ الرحمۃ) کے عطا فرمودہ تصورِ پاکستان کو ایک عملی تحریک کی شکل دے کر آگے بڑھے تو انگریز اور ہندو کی طرف سے اس تحریک کی جس قدر مخالفت ہوئی اس سے کہیں زیادہ مخالفت نیشنلسٹ علماء کی طرف سے ہوئی (جن کے ساتھ بعد میں جماعت اسلامی بھی شامل ہو گئی) انھوں نے عوام کو یہ کہہ کر بہکانے میں اپنا پورا زور صرف کر دیا کہ پاکستان کا مطالبہ غیر اسلامی ہے۔ اس مطالبہ کے پیش کرنے والے دین سے بے گانہ ہیں ان کی یہ تحریک اور اس کے حصول کے لئے جد و جہد خدا اور رسول کے منشاء کے خلاف ہے (وغیرہ وغیرہ)۔ اس امر کی ضرورت بھی اور شدید ضرورت کہ اس محاذ کا مقابلہ کیا جاتا اور لوگوں کو بتایا جاتا کہ پاکستان کا مطالبہ خدا اور رسول کی منشاء کے عین مطابق اور تمکین دین کے لئے لاینفک شرط ہے۔ طلوع اسلام کا اجراء اسی مقصد کے پیش نظر عمل میں آیا تھا۔ یہ سنہ ۱۹۳۸ء کی بات ہے۔ اس محاذ پر اس نے کس طرح جم کر لڑائی لڑی، اس کے شاہد اس دور کے طلوع اسلام کے ہزارہا صفحات اور اس کی پیش کردہ فکر سے متاثر ہونے والے لاکھوں افراد ہیں۔

حصولِ پاکستان سے ہمیں ایک خطۂ زمین مل گیا۔ اس کے بعد یہ سوال سامنے آیا کہ اس عمارت کا نقشہ کس قسم کا ہونا چاہیئے جس کے لئے یہ خطۂ زمین حاصل کیا گیا ہے یعنی اسلامک آئیڈیالوجی کسے کہتے ہیں، اسلامی آئین کس قسم کا ہوتا ہے۔ اسلامی مملکت کی بنیادی خصوصیات کیا ہیں (وغیرہ وغیرہ) طلوع اسلام نے اس دس گیارہ سال کے عرصہ میں ان سوالات

کے متعلق قرآن کریم کی روشنی میں جو کچھ کہا ہے۔ اس سے بھی قارئین بخوبی واقف ہیں۔ اس حقیقت کے احساس سے ہمارا سرِ نیاز اس بارگاہِ صمدیت میں جذبۂ تشکر و امتنان سے سجدہ ریز ہے کہ اُس نے اس کی خفیف سی آواز میں اتنی قوت عطا کردی کہ آج نہ صرف پاکستان، بلکہ بیرونی ممالک تک کی فضا اس کی نشر کردہ قرآنی فکر سے متاثر ہے فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

ایک عرصہ تک طلوعِ اسلام کا اپنے قارئین سے کم و بیش اسی قسم کا تعلق رہا جو ایک ماہوار مجلہ اور اس کے خریداروں کا ہوتا ہے۔ لیکن اس کے بعد خود اس کے قارئین کے حلقہ میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اس قرآنی فکر کو اجتماعی اور منظم طور پر آگے بڑھانے کی ضرورت ہے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے خود ہی یہ تجویز کیا کہ ایک شہر یا بستی میں رہنے والے احباب جو طلوعِ اسلام کے پیش کردہ قرآنی فکر سے متفق ہوں، کبھی کبھی ایک جگہ مل بیٹھا کریں اور باہمی مشورہ سے سوچیں کہ اس فکر کو زیادہ سے زیادہ عام کرنے کے لئے کیا ذرائع اختیار کئے جائیں۔ یہ خیال سب سے پہلے مردان (سابق صوبہ سرحد) کے احباب کے دل میں پیدا ہوا اور اس طرح انہوں نے اپنے ہاں طلوعِ اسلام کے مسلک سے متفق احباب پر مشتمل ایک بزم متشکل کرلی۔ ہم آہنگ احباب کی یہ چھوٹی سی سادہ سی محفل اس خوشگوار نتائج کی حامل ثابت ہوئی کہ ان کے تتبع میں دیگر مقامات کے احباب نے بھی اسی قسم کی بزمیں قائم کرلیں۔ اس طرح اس قرآنی فکر کی نشر و اشاعت کی انفرادی کوششوں نے محدود سے پیمانے پر اجتماعی رنگ اختیار کرلیا۔

سنہ ۱۹۵۶ء میں لاہور کے بعض احباب کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ مختلف بزموں میں باہمی تعارف اور رابطہ پیدا کرنے کے لئے ان کے نمائندوں کو کیوں نہ یکجا اکٹھا کیا جائے؟ اس خیال نے عملی شکل اختیار کی اور نومبر ۱۹۵۶ء میں لاہور میں بزم ہائے طلوعِ اسلام کے نمائندگان کی پہلی کنونشن منعقد ہوئی۔ اس کنونشن کو یک رنگ و ہم آہنگ احباب کی ایک بزم ہی سمجھئے۔ اس اجتماع نے قلوب و اذہان کی دنیا میں ایسی شادابی و شگفتگی پیدا کردی کہ اس کنونشن کو ہر سال منعقد کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ چنانچہ دوسرے سال (اکتوبر ۱۹۵۷ء میں) کنونشن کا انعقاد راولپنڈی میں ہوا۔ وہیں یہ فیصلہ ہوا کہ آئندہ کنونشن اپریل ۱۹۵۹ء میں لاہور میں منعقد ہو۔ چنانچہ ۱۹، ۲۰، ۲۱ اپریل کو اس کنونشن کا انعقاد حسبِ سابق چوہدری عبدالرحمٰن صاحب، صدر کنونشن کمیٹی و ترجمان بزم طلوعِ اسلام لاہور کے مکان (بہترین ہاؤس) شالامار ٹاؤن میں ہوا۔ پہلی کنونشن اور اس تیسری کنونشن میں جو فرق تھا وہ اس حقیقت کی محسوس شہادت تھی کہ اس دو سال کے عرصہ میں طلوعِ اسلام کی طرف سے پیش کردہ قرآنی فکر کس تیزی سے پھیل رہا ہے اور ملک کے کس قدر دور دراز گوشوں تک اس کی آواز پہنچ چکی ہے۔

جس طرح طلوعِ اسلام کی طرف سے پیش کردہ قرآنی فکر کی مثال کہیں اور نہیں ملتی اسی طرح اس فکر کی نشر و اشاعت کے لئے جو تنظیم وجود میں لائی گئی ہے اس کی نظیر بھی کہیں نہیں ملے گی۔ اس تنظیم میں حصہ لینے والے (یعنی اراکین بزم ہائے طلوعِ اسلام) نہ کوئی پارٹی بناتے ہیں۔ نہ مذہبی فرقہ قائم کرتے ہیں نہ ان سے کوئی نیا عقیدہ منوایا جاتا

اور نہ ہی کسی شخص کی اطاعت یا تقلید کا تقاضا کیا جاتا ہے۔ عقائد وہی صحیح ہیں جن کا مطالبہ قرآن کریم نے کیا ہے اور اطاعت صرف قوانین خداوندی کی واجب ہے۔ نہ ہی اس کے اراکین کو ملک کی عملی سیاسیات اور مذہبی مناقشات میں حصہ لینے کی اجازت ہے۔ جہاں تک ارکانِ اسلام کی ادائیگی کا تعلق ہے ہر رکن اس کا مجاز ہے کہ مسلمانوں میں جتنے طریقے مروج ہیں ان میں سے جس طریق کے مطابق چاہے ان کی ادائیگی کرے۔ البتہ اسے اس کا اختیار نہیں کہ ان طریقوں میں کسی قسم کا رد و بدل کرے یا (اہلِ قرآن کی طرح) کوئی نیا طریق وضع کرے۔ یہ اراکین اس قرآنی فکر کے عام کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ پاکستان میں صحیح اسلامی معاشرہ متشکل ہو جائے۔ اس کی عملی صورت یہ ہے کہ مملکتِ پاکستان کا آئین قرآنی اصولوں کے مطابق مرتب ہو اور یہ مملکت خدا کی متعین کردہ مستقل اقدار کے تحفظ اور تنفیذ کا ذریعہ بنے۔ اس مقصد کو اس تقریر میں نہایت وضاحت سے بیان کیا گیا ہے جس سے محترم پرویز صاحب نے کنونشن سے خطاب کیا۔ یہ خطاب آئندہ صفحات میں شائع ہو رہا ہے اور اس قابل ہے کہ نہایت غور و فکر سے اس کا مطالعہ کیا جائے۔ اس وقت اہلِ پاکستان بالخصوص اور دیگر ممالک کے مسلمان بالعموم جن اہم مسائل سے دوچار ہیں، اس خطاب میں ان کے متعلق اس جامعیت اور عمدگی سے بحث کی گئی ہے کہ اس کی مثال ہمارے لٹریچر میں کہیں نہیں ملے گی۔ یہ خطاب درحقیقت وقت کے ایک اہم تقاضا کو پورا کر رہا ہے۔

طلوعِ اسلام کے زیرِ نظر شمارہ کو کنونشن کی روئداد کے لئے وقف کر دیا گیا ہے تاکہ جو حضرات اس میں شرکت نہیں کر سکے وہ بھی اس سے لذت یاب و مستفید ہو سکیں۔ اور جو احباب شریکِ محفل تھے ان کی آنکھوں نے جو کچھ دیکھا اور کانوں نے جو کچھ سنا وہ ان کے پاس حروف و نقوش کی شکل میں محفوظ رہے۔

طلوعِ اسلام کنونشن جیسی محفلوں کی روئداد مرتب کرنا کچھ آسان کام نہیں۔ اس میں فکر و نظر، دل و نگاہ، عقل و عشق، ہوش اور شوق، یعنی حقائق و جذبات، اپنی بھرپور توانائیوں کے ساتھ دوش بدوش خراماں نظر آتے ہیں۔ ایسے مناظر کی تصویر کشی کے لئے نگاہ کی تیزی اور فکر کی سلامتی کے ساتھ، ہر شِ قلم کی عناں تابی لاینفک ہے۔

طلوعِ اسلام اپنی اس خوش بختی پر جس قدر بھی ناز کرے کم ہے کہ اسے اس قدر مشکل مرحلے کے لئے محترم صفدر سلیمی جیسے صاحب فکر و قلم کی رفاقت میسر ہوئی ہے۔ محترم موصوف کو فطرت کی طرف سے جلالِ صفدری اور جمالِ سلیمی دونوں کا بہرۂ وافر عطا ہوا ہے۔ جس کی وجہ سے ان کے قلم میں شوکت و جرأت بھی ہے اور نفاست و لطافت بھی۔ ہمیں یقین ہے کہ جو احباب کنونشن میں شریک ہوئے تھے جب وہ محترم صفدر صاحب کی مرتب کردہ روئداد کو پڑھیں گے تو وہ بے ساختہ پکار اٹھیں گے کہ جو کچھ ان کی آنکھوں نے دیکھا۔ ان کے کانوں نے سنا اور ان کے قلب نے محسوس کیا تھا یہ روئداد اس کا صحیح اور مکمل نقشہ ہے۔ طلوعِ اسلام محترم سلیمی صاحب

کی اس جذبۂ کاوش کے لئے نہایت شکرگذار ہے۔

روئداد کا جو حصہ خود صفدر صاحب سے متعلق تھا اسے انہوں نے خالی چھوڑ دیا تھا۔ (ان کی سلیمِ طبع کا یہی تقاضا تھا) اسے ادارہ طلوع اسلام نے خود پُر کیا ہے۔

طلوع اسلام ان تمام احباب کا بھی بدل شکرگذار ہے جنھوں نے اس کنونشن کو کامیاب بنانے میں کسی انداز و اسلوب سے بھی حصہ لیا۔ یہ احباب کسی قسم کے شکریہ کے متمنی نہیں ہیں (کیونکہ وہ جو کچھ کرتے ہیں لوجہ اللہ کرتے ہیں) لیکن ان جذبات کا اظہار خود ہمارے لئے وجۂ تسکین و باعث طمانیت ہے۔

کنونشن کی وجہ سے یہ پرچہ کسی قدر تاخیر سے شائع ہو رہا ہے جس کے لئے ہم قارئین سے معذرت خواہ ہیں۔ بالخصوص اس لئے کہ ہمیں اس کا پورا پورا احساس ہے کہ طلوع اسلام کی حاضری میں تھوڑی سی تاخیر بھی ان احباب کے شوقِ فراواں کے لئے وجۂ آزمائش ہو جاتی ہے۔

کنونشن کی روئداد میں جن تقاریر کا ذکر آیا ہے، ہمیں افسوس ہے کہ گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے وہ اس شمارہ میں شامل نہیں ہو سکیں۔ وہ آئندہ پرچہ میں شائع ہوں گی۔

پیشگی خریداری اور محصول ڈاک

ضروری وضاحت

پیشگی خریداری کی شکل یہ ہے کہ جو شخص ادارہ کے پاس ایک سو روپیہ (یکمشت یا بالاقساط) جمع کرا دے ادارہ اسے اس کی منشا کے مطابق کتابیں بھیجتا رہتا ہے اور محصول ڈاک خود ادا کرتا ہے۔ وہ احباب جو پیشگی کی رقم بالاقساط ادا کرتے ہیں بعض اوقات ایک غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں جس کا ازالہ ضروری ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جونہی انہوں نے قسط بھیجنی شروع کی وہ محصول ڈاک کی رعایت کے مستحق ہو گئے۔ یہ صحیح نہیں۔ محصول ڈاک کی رعایت اس وقت شروع ہوتی ہے جب ان کا ایک سو روپیہ پورا ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک صاحب نے دس روپے ماہوار کی قسط ادا کرنی شروع کی اور ساتھ ساتھ کتابیں بھی منگاتے رہے۔ اس دوران میں انہیں محصول ڈاک کی رعایت نہیں دی جائے گی جب (دس اقساط کے بعد) ان کی طرف سے سو روپیہ ادارہ کو موصول ہو جائے گا تو اس کے بعد وہ جتنی کتابیں منگائیں گے۔ ان پر محصول ڈاک کی رعایت دی جائے گی۔ احباب نوٹ فرمالیں۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

روئیداد
طلوعِ اسلام کنونشن لاہور

(منعقدہ ۱۸-۱۹-۲۰-۲۱ اپریل ۱۹۵۹ء)

تیسرا سالانہ اجتماع

(لاہور — راولپنڈی — اور تیسری بار — پھر لاہور)

(محترم صفدر سلیمی صاحب کے قلم سے)

نومبر ۱۹۵۶ء میں طلوعِ اسلام کنونشن کے نام سے پہلی بار قرآنی فکر و بصیرت کے چراغ عزم و ہمت کی ایک منظم صورت لیکر (شالامار گارڈن - لاہور میں) منظرِ عام پر جلوہ بار ہوئے۔ یہ تھی بزمہائے طلوعِ اسلام کی اوّلین کنونشن۔ اکتوبر ۱۹۵۷ء میں دوسری بار یہ انوکھی انجمن راولپنڈی میں آراستہ ہوئی۔ اپریل ۱۹۵۹ء میں تیسری کنونشن کا قرعۂ فال پھر لاہور ہی کے نام پڑا — اور اقبالؒ کا لاہور ایک بار پھر ان قرآنی مشعلوں کی نور پاشیوں سے جگمگا اٹھا۔ موسمِ بہار، بہار آفرینیوں کے پورے جوبن سے انگڑائیاں لے رہا تھا۔ فصلِ بہار انتہائی فیاضی سے حسن و جمال کے خزانے لٹا رہی تھی۔ ہر چہار اطراف نور و نکہت کی رنگینیاں کیف برسا رہی تھیں اور موسمِ گل کی ان سحر طرازیوں میں بہترین ہاؤس کے سبزہ زار ایک بار پھر ۲ برس قبل کی انجمن آرائیوں کی داستانِ دلنواز دہرا رہے تھے۔ کنونشن کمیٹی کے حسنِ انتظام کی بدولت شالامار کے تاریخی چمنستان کے دامن میں پھر بہار میں خوبصورت شامیانوں کی قطاریں اس قرآنی تحریک کے نشو و ارتقاء اور شاندار مستقبل کی نشاندہی کر رہی تھیں جس نے صدیوں پہلے حضور رسالتمآبؐ والذین معہٗ کے مقدس ہاتھوں انسانی زندگی کی تاریک شاہراہوں کو درخشندہ ستاروں کی گذرگاہوں میں بدلا تھا۔ اور کارگہِ کائنات میں جنتِ ارضی کی بساطِ

بجھ گئی تھی۔

تاریخ آج تک اس حادثۂ عظیم کے ماتم سے فارغ نہیں ہوئی کہ انسانی زندگی کی نامرادیوں اور حرماں نصیبیوں نے بہت جلد قرآنی نظام کے اس سرمایۂ بہار اور نورِ مبین کو کھو دیا اور پھر صدیاں گذر گئیں یہ فردوسِ گم گشتہ اس کی متاعِ حیات نہ بن سکا۔

کنونشن کی فضائے روح نواز کے ذرے ذرے میں صدیوں کے بعد پھر اسی قرآنی نظام کو انسانیت کا مرکز و محور بنانے کا عزم کروٹیں لے رہا تھا اور اسی عزم صمیم کی چھلکتی ہوئی آرزوئیں سینوں میں لئے بزمہائے طلوع اسلام کے مندوب پاکستان کے اطراف و اکناف سے ہجوم سحر کی مانند کھنچے چلے آ رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ——

آفاق کے ہر گوشے سے اٹھتی ہیں شعاعیں

بچھڑے ہوئے خورشید سے ہوتی ہیں ہم آغوش

پنڈال کی وسعت و رفعت کے ساتھ اس کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی تھی کہ اس میں مختلف مقامات پر قرآنی آیات اور اس کی تعلیم و حکمت سے متعلق ملفوظات، قطعات کی شکل میں آویزاں تھے —— نہایت جلی لیکن اس کے ساتھ تاج محل کی طرح حسنِ تناسب کے پیکر۔۔۔ یہ قطعات، محترم اقبال صاحب خوشنویس کے قلم کی نادرہ کاری اور خونِ جگر کی رنگینی کا حسین و جمیل مرقع تھے۔ اقبال صاحب، جناب پیر دین رقم (مرحوم) کے صاحبزادے ہیں، جنہیں کلامِ اقبال کی کتابت کی سعادت خصوصی حاصل تھی۔۔۔ پیر دین رقم کے بیٹے بھی اور صحیح جانشین بھی —— شرکائے محفل کی نگاہیں بار بار ان قطعات کی طرف اٹھتیں اور اس خرمنِ گل و لالہ سے پُر دامن کاشانۂ چشم کی طرف واپس آتیں۔

میر کارواں —— کراچی سے لاہور

لاہور کی اس کنونشن کا مایۂ امتیاز یہ تھا کہ اولیں کنونشن کا ایک اہم ترین فیصلہ گذشتہ اپریل سے حاملِ تکمیل کو پہنچ چکا تھا اور اپنی مجبوریوں کے باوجود میر کارواں نے کراچی سے لاہور میں نقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ وہ میر کارواں ——

جس مردِ خود آگاہ و خدامست کی صحبت

دیتی ہے گداؤں کو شکوہ جم و پرویز

اور اس طرح حکیم الامت علامہ اقبالؒ کی رحلت سے اس کے لاہور کی جو دل کش انجمن اُجڑ چکی تھی بیس برس بعد بکمالِ شانِ زیبائی از سر نو آراستہ ہو چکی تھی۔ فکر و نظر اور فلسفہ و حکمت کے میخانوں میں

پھر یہ غوغا تھا کہ لا ساقی شراب خانہ ساز

خوشا وہ کاروانِ شوق جس کو یہ امیر کارواں نصیب ہوا —— اور

خوشا وہ قافلہ جس کے امیر کی ہے متاع   تخیلِ ملکوتی و جذبہ ہائے بلند

مجلس تعارف باہمی

کونشن ہاؤس میں مندوبین کی آمد کا سلسلہ ۱۰ اپریل کی صبح سے ہی شروع ہو گیا۔ سندھ اور وزیرستان تک کے نمائندے طویل اور صبر آزما سفر طے کرکے شام تک پہنچ گئے۔ اور بوقت شب نماز عشاء کے بعد جب تعارف باہمی کے سلسلے میں ان کی مجلس خصوصی کا انعقاد ہوا تو کم وبیش تمام مندوبین اطراف ملک سے آچکے تھے۔ خون، رنگ اور نسل کی عصبیتوں سے پاک یہ مجلس شبینہ ناظم ادارۂ طلوعِ اسلام مولوی عبد الرب جیلانی کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ مجلس کیا تھی ؎

اندھیری رات میں تھیں جھلکیں ستاروں کی

ہر ایک تعارف کے سلسلے میں باری باری پلیٹ فارم پر نمودار ہو رہا تھا۔ دور دراز کی بستیوں، قصبوں اور شہروں سے سمٹ سمٹا کر یہ ستارے اس خیابانِ آرزو میں جمع تھے۔ دلوں میں درخشندہ عزائم کی تابناکیاں اور روحوں میں تڑپتی امنگوں کا سوز و ساز میر کارواں کے دلِ ارجمند کی کیفیت — پنڈال کے ایک گوشے سے کبھی اس کی سرمدی نگاہیں اپنے کاروانِ شوق کی طرف اٹھتیں اور کبھی اپنی کٹھن راہوں کے نشانِ منزل کی طرف۔ اس کا عزم بلند برملا کہہ رہا تھا۔

میں ظلمتِ شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کارواں کو

شرر فشاں ہوگی آہ میری نفس مرا شعلہ بار ہوگا

رفقائے سفر کے دلوں سے بےساختہ اس کے حق میں یہ دعا ابھر رہی تھی۔

دریا متلاطم ہوں تری موج گہر سے

پہلا اجلاس

۱۱ اپریل کی صبح کو ۹ بجے کے قریب پہلی نشست کنونشن کمیٹی کے صدر محترم عبد الرحمٰن چوہدری کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ مولوی شیر محمد آف میرن شاہ (وزیرستان) نے مخصوص انداز میں تلاوتِ کلامِ پاک سے تاثر کا سماں باندھ دیا۔ اور پھر محترم رحیم بخش نے کلامِ اقبال سے دلوں میں تر و تازگی پیدا کی۔ اس کے بعد چوہدری عبد الرحمٰن صاحب کا خطبہ استقبالیہ تھا۔ اس مختصر لیکن معنی خیز استقبالیہ کا حرفِ آغاز وہ غم انگیز لیکن ولولہ خیز داستان تھی جو اولین کنونشن کا سنگِ میل بنی۔ ماضی کے دھندلکوں سے وہ زندہ جاوید واقعہ ابھر کر سامنے آگیا جب چوہدری صاحب کے مرحوم بھائی (چوہدری عبد الحمیدؒ) نے پہلی کنونشن کے انعقاد کا عزم کیا اور اگلی صبح طلوعِ آفتاب کے ساتھ ہی مرحوم نے عزم کے خاکوں میں رنگِ عمل بھرنے کا آغاز کیا اور پھر کس طرح اس سلسلۂ تعمیر کا وہ پہلا معمار اپنے خاکوں کی تشکیل کے دوران میں ہی طبعی موت کی آغوش میں جا سویا۔ چوہدری عبد الرحمٰن نے اس تذکرے کے بعد مندوبین و مبصرین کی خدمت میں پرجوش ہدیۂ خیر مقدم پیش کیا۔ انھوں نے لاہور میں پرویز صاحب کے مستقل قیام کو سعادت اور خوش بختی قرار دیا اور اس پر اظہارِ مسرت کیا کہ انھوں نے اپنے رفقاء سمیت ان ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہونے کی پوری

کوشش کی جو پرویز صاحب کی آمد کے سلسلے میں اُن پر عائد ہوتی تھی۔ (چوہدری صاحب کا خطبہ استقبالیہ شاملِ اشاعت ہذا ہے)

سالانہ رپورٹ

خطبہ استقبالیہ کے بعد محترم خلیل مرزا کی نظم تھی اور اس کے بعد ناظمِ اعلیٰ مولوی عبدالرب صاحب نے سالانہ رپورٹ پیش کی (رپورٹ اسی اشاعت میں شامل ہے)۔ ناظمِ اعلیٰ نے اس رپورٹ میں بالتفصیل بتایا کہ پرویز صاحب کی کراچی سے لاہور میں منتقل ہونے سے صورتِ حال میں کیا انقلاب پیدا ہوا۔ انھوں نے اس حقیقت کا اظہار کیا کہ ابھی تک وہ توقعات شایانِ شان طور پر پوری نہیں ہو سکیں جو ادارے نے اس تاریخی شہر سے وابستہ کی تھیں اور ساتھ ہی انھوں نے اس یقین و اعتماد کا اعلان کیا کہ ادارے کی امیدیں بالآخر پوری ہوں گی۔ انھوں نے ان مشکلات و موانعات کی تفصیل بھی پیش کی جو لغات القرآن اور مفہوم القرآن کی طباعت کے سلسلہ میں درپیش رہیں۔

ناظمِ اعلیٰ نے پنجاب کے اہم شہروں میں پرویز صاحب کے دورے کا بھی تفصیلی ذکر کیا اور بتایا کہ یہ دورے ملت کے نوجوان طبقے میں قرآنی روح کی بیداری کے محرک ثابت ہوئے اور یہ خوشگوار ذہنی انقلاب لاہور منتقل ہونے کا نتیجہ تھا۔

انھوں نے نظامِ ربوبیت کے قیام کے سلسلے میں ایوان کو اُس کی ذمہ داریوں کا احساس دلاتے ہوئے یہ بتایا کہ ادارۂ طلوعِ اسلام اُس قرآنی نظام کا داعی ہے جس میں کوئی شخص نہ تو کسی دوسرے کا محتاج ہو اور نہ اپنے آپ کو بیکس و لاچار محسوس کرے۔ ضروریاتِ زندگی پوری طرح مہیا ہوں باہمی عزت و تکریم کا دور دورہ ہو اور آدمی کو انسان بننے کے مواقع فراوانی سے میسر ہوں۔ انھوں نے کہا کہ پاکستان اسی قرآنی نظام کے لئے وجود پذیر ہوا لیکن یہ مقصدِ عزیز نگاہوں سے اوجھل اور دل سے دُور ہو گیا۔ نئے آئین کی تدوین کے اس نازک مرحلہ پر ہم سب کا فریضہ ہے کہ تن من دھن سے ایسی فضا پیدا کریں جس میں قرآن کی عطا کردہ مستقل اقدار نئے آئین کی اساس قرار پا سکیں۔

پرویز صاحب کا خطاب

سالانہ رپورٹ کے بعد پرویز صاحب کے خطاب کی باری تھی اور جونہی کرسیٔ صدارت کی طرف سے پرویز صاحب کو مائیک پر آنے کی دعوت دی گئی پنڈال کی فضا کا رنگ بدل گیا۔ پنڈال سے باہر ہر شخص جو کہیں نہ کہیں مصروفِ کار تھا سب کچھ چھوڑ کر پنڈال کا رُخ کر رہا تھا۔ اس اجلاس کے لئے خصوصی دعوت نامے بھی خاصی تعداد میں جاری کئے گئے تھے اور مندوبین و سامعین کے علاوہ معزز مہمانوں کا طوفان اُمڈا چلا آ رہا تھا۔ وسیع پنڈال کے آخری گوشے تک تمام نشستیں پُر ہو گئیں اور پھر مندوبین نے نئے مہمانوں کے لئے اپنی کرسیوں کو خالی کرنا شروع کر دیا۔ خواتین کے حصہ پنڈال میں بھی تل دھرنے کو جگہ نہ رہی۔ انتظامیہ کے قلب کو یہ کشمکش طلسم پیچ و تاب بنا رہی تھی کہ مہمانوں کے ہجوم سے پنڈال کہیں تنگیٔ داماں کی صورت پیدا نہ کر دے لیکن مندوبین نے اپنی نشستوں کی پیشکش کر کے اس کشمکش کو آسودگی میں بدل دیا۔

والہانہ ذوق و شوق اور شدتِ انتظار کے دل آویز ماحول میں پرویز صاحب منتظر نگاہوں کے سامنے عید کا چاند بن کر نمودار ہوئے۔ اس بار اُن کے خطاب کا عنوان تھا۔۔۔ پیامِ فصلِ بہار۔۔۔۔

دہم بہ غمزدہ طائر پیامِ فصلِ بہار　　بہ گلشنیں گو سیم یاسمن ریزم

"بادۂ زندگی" اور "نغمۂ زندگی" کے بعد اس پیامِ بہار کی کیف انگیزیوں اور وجد آفرینیوں کے تاثرات کیا تھے؟ جذبات و احساسات کا یہ کیف و نشاط الفاظ کی زبان سے ادا کرنا ممکن نہیں۔ نظر یہی آتا تھا کہ حسنِ بیان کے ساغر و مینا گردش میں آگئے اور۔۔۔

دریائے پُر خروش زبند و شکن گذشت
از تنگنائے وادی و کوہ و دمن گذشت

فکر و نظر کے آسمان پر اندھیری رات میں نئے نئے ستارے جگمگانے لگے۔ اور کاروانِ شوق نے اپنی منزل کا سنگِ نشان (Land Mark) نگاہوں کے سامنے پا لیا۔ سینکڑوں نگاہیں قرآن کے اس گراں مایہ طلب علم پر مرکوز تھیں۔

فطرت کا سرودِ ازلی جس کے شب و روز
آہنگ میں یکتا صفتِ سورۂ رحمٰن

موسمِ بہار کی اس صبحِ کیف بار میں کم و بیش ڈیڑھ گھنٹہ تک قرآنی فکر و بصیرت کی یہ گل پاشیاں جاری رہیں۔ اس خطاب سے پرویز صاحب نے ماحول کے چہرے سے تمام نقاب اُلٹ دیئے۔ انھوں نے ملک کے نئے عسکری انقلاب کا خیر مقدم کیا اور فرمایا کہ یہ انقلاب محض بساطِ سیاست کی مہرہ بازیوں کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ اُن کائناتی قوتوں کی کارفرمائی ہے جنہیں دنیا زمانے کے تقاضے کہہ کر یاد کرتی ہے اور یہ غنیمت ہے کہ طوفانِ بلاخیز کی آمد سے قبل ہی ہم نے اپنے ہاں وہ انقلاب پیدا کر لیا جس نے سرمایہ داری اور مفاد پرستیوں کی بساط اُلٹ دی۔ یہ کہتے ہوئے پرویز صاحب نے زرعی اصلاحات کا خیر مقدم کرتے ہوئے اسے قرآنی نظام کی منزل کی جانب پہلا قدم قرار دیا اور کمیشن کی رپورٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے امید ظاہر کی کہ حکومت اپنے منتہائے مقصود تک بتدریج پہنچنا چاہتی ہے اور اگر اس نہج پر مزید اقدامات کرتی رہی تو رفتہ رفتہ وہ قرآن کے نظامِ ربوبیت کی منزل تک پہنچ سکے گی۔

آئینِ نو کی تدوین کے سلسلے میں پرویز صاحب نے کہا کہ اس سوال کو حل کرنا ابھی باقی ہے کہ ہمارا آئین کس قسم کا ہو اور وہ آئیڈیالوجی کیا تھی جس کے لئے یہ خطۂ زمین حاصل کیا گیا۔ انھوں نے کہا کہ ہمارے مستقبل کا انحصار انہی سوالات کے حل پر موقوف ہے۔ وقت آگیا ہے کہ حالات کی اس مہلت سے کماحقہٗ فائدہ اٹھائیں۔ ازاں بعد پرویز صاحب نے اسلامی دستور کے اساسی نکات کی بالتفصیل وضاحت کی اور کارفرمایانِ مملکت پر واضح کیا کہ فرقہ بندی کے شرک عظیم

کو ختم کئے بغیر اسلامی آئین اور اسلامی نظام کا دعویٰ انتہائی خود فریبی کی دلیل ہوگا۔ جب اسلام دین کی ناقابلِ تقسیم وحدت میں ہر نوع کی فرقہ بندی کو کھلا شرک قرار دیتا ہے تو پھر اسلامی آئین اور مذہبی فرقوں کا بیک وقت وجود اسلام سے مضحکہ خیزی قرار پائے گی۔

آخر میں قلبِ مضطرب کی انتہائی تپش و خلش سے پرویز صاحب نے رفقائے سفر سے اپیل کی کہ وہ وقت کی آواز کو پہچانیں اور قرآنی فکر کو عام کرنے میں جو کچھ بن پڑے سے کر گزریں۔

پرویز صاحب کے اس دل کش خطاب کے بعد کنونشن کی پہلی نشست اختتام پذیر ہوگئی۔

(پرویز صاحب کا یہ خطاب اسی اشاعت کی زینت ہے۔)

دوسری نشست

۱۱ اپریل کو تین بجے بعد دوپہر دوسرا اجلاس ہوا۔ قراردادوں کی ترتیب و تدوین کے سلسلے میں ایک سبجیکٹ کمیٹی (مجلس مضامین) کے انتخاب کے بعد یہ اجلاس برخاست ہوگیا۔ جس کے فوراً بعد مجلس مضامین کا جو تمام بزموں کی ترجمانوں پر مشتمل تھی اجلاس شروع ہوا۔ پانچ بجے تک مجلس نے مختلف ضروری اور اہم تجاویز طے کرلیں اور انھیں باضابطہ قراردادوں کی صورت دینے کے لئے تمام کام ایک سب کمیٹی کے سپرد کر دیا جو حسب ذیل ارکان پر مشتمل تھی۔

(۱) مولانا عبدالرب (۲) راقم الحروف (صفدر سلیمی) (۳) میاں عبدالخالق (۴) خان بخت جمال (۵) ڈاکٹر عبدالحکیم (۶) حافظ شاہ صاحب حسینی ایڈووکیٹ۔

نمازِ عشاء سے قبل سب کمیٹی نے قراردادوں کی تدوین مکمل کر لی تاکہ انھیں اگلے روز کنونشن کے کھلے اجلاس میں پیش کیا جا سکے۔

تیسری نشست

۱۱ اپریل آٹھ بجے شب کنونشن کی تیسری نشست ہوئی۔ شیخ الفاضل مولوی نذیر محمد نے تلاوتِ کلام پاک سے کارروائی کا آغاز کیا اور مرزا خلیل صاحب کی وجد آفریں نظم کے بعد ڈاکٹر عبدالودود صاحب تقریر کے لئے سٹیج پر آئے۔ —— طلوع اسلام نے کیا دیا —— یہ اہم موضوع تھا جس پر ڈاکٹر صاحب موصوف نے مندوبین و سامعین کو خطاب کیا۔ انھوں نے بالتفصیل بتایا کہ طلوع اسلام نے فکر و نظر کی پستیوں میں کیا کیا تبدیلیاں روشن کیں اور زندگی کے اہم مسائل کے بارے میں نوجوانانِ ملت کا دامن کس بیش بہا فکری سرمائے سے مالا مال کر دیا۔ انھوں نے مندوبین کے سکون و اطمینان کو جھنجھوڑتے ہوئے یہ احساس دلایا کہ ممکنات زندگی کی فضائے بسیط میں ان پر کس قدر اہم ذمہ داریاں عائد ہیں اور ان ذمہ داریوں کو اگر بے پناہ ہمت اور لگن سے ادا نہ کیا گیا تو بعد ازاں کس پشیمانی کا سامنا ہوگا۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنے مختصر خطاب میں (جو اسی اشاعت میں موجود ہے) طلوع اسلام کی تعلیمات کو چند

اوراق میں سمٹا کر اس حسن و انداز سے پیش کیا کہ حاضرین عش عش کر اٹھے اور جونہی یہ خطاب ختم ہوا پرویز صاحب سٹیج کی طرف بڑھے اور اپنے مخصوص انداز میں ڈاکٹر صاحب کے خطاب کی تعریف کرتے ہوئے کہا یہ خطاب طلوعِ اسلام کے مقاصد کی بہترین ترجمانی تھی اور دورانِ خطاب میں ان کی اپنی کیفیت یہ تھی کہ

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ سمجھا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

انھوں نے مزید کہا کہ وہ اپنے آپ کو قابلِ مبارکباد سمجھتے ہیں کہ ان کے سمجھنے والوں میں ڈاکٹر موصوف جیسے مخلصانہ فکر کے حامل موجود ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کے بعد نظارت کنونشن اور اجلاس کے صدر عبدالرحمٰن چوہدری خطاب کے لئے اسٹیج پر آئے ان کا موضوع تھا — میرے باطنی مشاہدات — یہ مقالہ دراصل چوہدری صاحب کی اپنی زندگی کی ایک عجیب و غریب داستان تھی — اس دور کی کہانی جب طلوعِ اسلام کی فکری روشنی میں آنے سے قبل وہ مراقبوں اور چلہ کشی کے تہ خانوں میں "وقفِ ریاضت" ہو گئے۔ اور پھر کس طرح طلوعِ اسلام کی کرنوں نے ان کے قلب و نظر کو قرآنی فکر کی وہ روشنی عطا کی جو انھیں خود فریبیوں کے اس گوشۂ تاریک سے نکال کر درخشندہ حقائق کی فضائے تابناک میں لے آئی — حاضرین چوہدری صاحب کی یہ داستان سن رہے تھے اور ان کی حیرت بھری نگاہیں ان کے چہرے کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ ان کے تصور میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ خوبصورت سوٹ میں ملبوس اور اس قدر روشن خیال نوجوان اپنے ابھرتے ہوئے شباب کا بیش بہا عرصہ چلوں کے فریبِ نفس میں ضائع کر سکتا ہے۔

چنانچہ چوہدری صاحب کے بعد پرویز صاحب ایک بار پھر سٹیج پر آئے۔ انھوں نے کہا کہ چوہدری صاحب کو بڑا خوش نصیب سمجھئے کہ ایک ہی چلے میں نگاہوں کے سامنے سے تمام پردے اٹھ گئے اور انھیں طلوعِ اسلام مل گیا جہاں تک میرا تعلق ہے میں نے تو زندگی کا بیشتر قیمتی اور طویل عرصہ ان بھول بھلیوں میں بسر کیا۔ اور پھر مجھے تو "طلوعِ اسلام" بھی نہ مل سکا بلکہ اس سے باہر آنے کے لئے اپنی ہی ہمت سے جفاکشی کرنی پڑی۔ انھوں نے کہا کہ اگر موجودہ جانکاہ مصروفیتوں سے کبھی فراغت نصیب ہوئی تو کھول کھول کر بتاؤں گا کہ جہاں بابوں کے جن آسانی سے نکل جاتے ہیں وہاں دلوں میں بسے ہوئے جنات نکالنے کے لئے کس قدر جان توڑ محنت کوششوں کی ضرورت پڑتی ہے۔

چوتھی نشست

۲۰ اپریل ۹ بجے صبح۔ تلاوت کلامِ پاک اور نظم کے بعد چوہدری افتخار احمد نے "انسان اور تلاشِ سکون" کے موضوع پر ایوان سے خطاب کیا۔ دورانِ خطاب میں انھوں نے پوری وضاحت سے تاریخ کی یہ شہادت پیش کی کہ سائنسدان اور پیشوایانِ مذہب (حضرات انبیائے کرام نہیں بلکہ مذہبی پیشوائیت کے علمبردار) دونوں انسانیت کے مرضِ کہن کا چارہ نہ بن سکے۔ کیونکہ مذہب اور سائنس انسانی ذہن کی پیداوار ہیں اور زندگی کا

سکون ان مستقل اقدار میں پوشیدہ ہے جو انسانی شعور سے پیدا نہیں ہوتیں بلکہ وحی کے ذریعے دین کی اساس بن کر آتی ہیں۔ انسانی فوز ایقان و تیقّنات کے بارے میں ایک بھی واضح اور جامع نظریہ آج تک پیدا نہ کر سکا۔ سائنس اور مذہب کے ہر دو مکاتب فکر کی واضح ناکامی کے بعد فاطر السمٰوٰت والارض کی طرف رجوع اب انسانی زندگی کے سوز دروں کا چارہ ہے اور انہی کی عطا کردہ مستقل اقدار کو مشعلِ راہ بنانے کی ضرورت ہے۔ انھوں نے کہا کہ عصر حاضر کی خوش نصیبی ہے اقبال اور پرویز کی شب بیداریوں کا ماحصل انہی مستقل اقدار کی اشاعت ہے آئیے کہ ان اقدار کو اپنا کر نوعِ انسانی کی پریشانیوں کو سکون سے بدل دیں۔

چوہدری صاحب کے تعارف میں پرویز صاحب نے فرمایا کہ چوہدری افتخار جہاں دفعہ ۳۰ کے مجسٹریٹ ہیں وہاں آج قوتِ بیان کے بھی مجسٹریٹ ثابت ہوئے ہیں۔ انھوں نے مذکورہ موضوع کی وضاحت میں کہا کہ اور تو اور انسان نے تسخیر کائنات کا تجربہ کر کے بھی دیکھ لیا لیکن سکون نہ سائنس کی لیبارٹری میں ملا اور نہ خانقاہوں کی چار دیواری میں۔ ذہنی سکون کی تلاش کی ہر کوشش بالآخر ناکامی کا شکار رہی۔ قرآن کے نزدیک نوعِ انسانی کے سکون و اطمینان کی صورت اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتی جب تک کہ انسان کائناتی قوتوں کو مسخر کر کے انھیں قوانینِ خداوندی کے مطابق استعمال نہیں کریگا۔ یہ قوانین قرآن کے اندر محفوظ ہیں۔

ازاں بعد مرزا محمد خلیل صاحب کی تقریر کی باری تھی۔ ان کا موضوع تھا — اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ — دینِ اسلام کا مقصد عظیم اور اس کا طریق کار — انھوں نے واضح کیا کہ اس موضوع کے تحت وہ "طلوع اسلام" کا مقصود و منشا پیش کر رہے ہیں اور اس سلسلے میں نظامِ صلوٰۃ و زکوٰۃ کی وضاحت کرتے ہوئے انھوں نے فرمایا کہ اسلامی نظام کے ثمراتِ طیب کے برگ و بار صلوٰۃ و زکوٰۃ میں منعکس ہوتے ہیں۔ دین اللہ کی بنیاد خالصتہً وحی الٰہی پر ہوتی ہے۔ اور اس وحی پر ایمان لانا پڑتا ہے — یہ نظام انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہوتا ہے اور جہاں تک مذہب کا تعلق ہے وہ دین کی مسخ شدہ صورت کا نام ہے۔

وحی کا عطا کردہ دین جسم اور ذات کے امتیازی تعارف سے ذات کی نشوونما زندگی کا نصب العین قرار دیتا ہے۔ اور یہ اس اصول پر ہوتی ہے کہ دوسروں کے مفاد کو اپنے مفاد پر ترجیح دی جائے۔

دین انسانی زندگی کو مستقل اقدار عطا کرتا ہے اور افراد کو ان کے نصب العین کے حصول کے لئے ایک معاشرے کی تشکیل کی دعوت دیتا ہے۔ افرادِ معاشرہ اپنے جان و مال کا ماحصل اس معاشرے کے سپرد کرتے ہیں اور اس کے بدلے وہ ارضی جنت ملتی ہے جس کی مشہود کیفیتیں نہ صرف اس زندگی میں برگ و بار لاتی ہیں بلکہ دوسری زندگی میں بھی۔

ازاں بعد خلیل صاحب نے قرآن کی روشنی میں صلوٰۃ و زکوٰۃ کے مفہوم کو واضح کیا اور بتایا کہ قوت اور حکومت کے بغیر اس نظام کی تشکیل ممکن ہی نہیں۔

ازاں بعد پرویز صاحب نے خلیل صاحب کے تعارف کے سلسلے میں کہا کہ خلیل صاحب ان کے مداحوں کے ساتھی اور اپنے نام کی تاریخی عظمت کے مظہر ہیں۔ انہوں نے طلوع اسلام کی تعلیمات کو ایک مختصر خطاب میں سمٹا کر پیش کیا ہے اور یہ ایک نگہ دُوربیں کا کام ہے۔

غلط فہمی کا ازالہ

خلیل صاحب کے خطاب کے سلسلے میں ایک اہم نکتہ کی وضاحت کرتے ہوئے پرویز صاحب نے کہا کہ ہماری ہر محفل میں الصلوٰۃ کا بحیثیت نظام جس طرح بار بار ذکر آتا ہے اُس سے یہ غلط فہمی پیدا نہ ہونے پائے کہ ہم نماز کے وقتی اجتماعات کی اہمیت کے قائل نہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ صلوٰۃ کا وقتی اجتماع بھی قرآن ہی کا ارشاد ہے اور یہ الصلوٰۃ کے عالم آرا نظام ہی کی سمٹی ہوئی تصویر ہے۔ جو شخص نماز کی اہمیت کو کم کرتا ہے وہ طلوع اسلام کے خلاف فتنہ و شرارت کا محرک ہے اور ایسی مذموم حرکت کسی طرف سے نہ تو دانستہ ہونی چاہئے اور نہ نادانستہ۔

ریزولیشن؟

مذکورہ خطابات کے بعد ریزولیشنز کی باری تھی۔ پرویز صاحب کی دُوربین نگاہوں نے کچھ دیکھا اور پھر کچھ سوچ کر فوراً مائیک پر پہنچ گئے۔ انہوں نے کہا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ مندوبین ریزولیشنز کی اہمیت کو نہیں سمجھے۔ واضح رہے کہ ریزولیشن نیت اور عزم کا اظہار ہے۔ اور اس کی اہمیت کسی قیمت پر نظر انداز نہ ہونے پائے۔ آپ نے اسے ایک رسمی سی چیز سمجھ لیا ہے اور مجھے خطرہ ہے کہ آپ کے ریزولیشن کہیں شاعری نہ بن جائیں۔ ریزولیشن پاس کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے کچھ فیصلے کرنے ہیں کچھ ارادے اور عزائم بروئے کار لانے ہیں۔ یہ ریزولیشن اس عظیم مقصد کا اعلان ہیں کہ آئندہ سال کے دوران میں آپ نے اپنے مشن کی کامیابی کے لئے کیا کچھ کر کے دکھانا ہے۔ پرویز صاحب کی اس گرانقدر وضاحت کے بعد ناظم ادارہ طلوع اسلام نے مجلس مضامین کی مجوزہ قراردادیں بالترتیب ایوان کے سامنے پیش کیں اور مناسب ترامیم کے ساتھ انہیں منظور کر لیا گیا۔

قراردادیں

۱۔ بزمہائے طلوع اسلام کا یہ کنونشن حکومت پاکستان کے ان اعلانات کا خیر مقدم کرتا ہے کہ دستورِ مملکت کی تدوین میں نہ صرف پاکستان کی حقیقی آئیڈیالوجی پیش نظر رکھی جائے گی بلکہ اس کے نشوو ارتقاء کو بھی پوری اہمیت دی جائے گی۔ ان اعلانات کی موجودگی میں کنونشن ملک میں لاتعداد فرقوں کا وجود عظیم رکاوٹ قرار دیتے ہوئے ضروری سمجھتا ہے کہ ایک ایسا کمیشن مقرر کیا جائے جو اس امر کا تعین کرے کہ اسلامی آئیڈیالوجی کسے کہتے ہیں؟ اسلامی آئین کیا ہونا ہے؟ اور اسلامی مملکت کا منتہیٰ و مقصود کیا ہے۔ یہ کمیشن ایسے ارکان پر مشتمل ہونا چاہئے جن کی دینی بصیرت پر اعتماد ہو لیکن ان کا کسی مذہبی فرقے سے کوئی تعلق نہ ہو۔

۲۔ بزمہائے طلوع اسلام کا یہ نمائندہ سالانہ کنونشن زرعی اصلاحات کے جرأتمندانہ نفاذ پر ملک کے موجودہ

کارفرمایانِ حکومت کو ہدیۂ تحسین وتبریک پیش کرتا ہے ۔ ان کا یہ فیصلہ قرآن کریم کے تجویز کردہ معاشی نظام کی طرف ایک قدم ہے جس کی رُو سے وسائل رزق اور ذرائع پیداوار افراد کی ملکیت کی بجائے مملکت کی تحویل میں ہونے چاہئیں تاکہ مملکت ان سے تمام افراد مملکت کی بنیادی ضروریات زندگی بہم پہنچانے کے اہم اور عظیم فریضہ سے عہدہ برآ ہو سکے۔

(۳) کنونشن کے علاوہ ہر سال بزموں کے نمائندوں کا ایک اجتماع ماہ اکتوبر میں کسی اہم مقام پر ہو۔ کسی مقام سے اس سب کنونشن کی دعوت ماہ جولائی تک پہنچ جانی چاہیئے ۔ تاکہ کنونشن کمیٹی کسی فیصلے پر پہنچ سکے۔ کسی مقام سے دعوت نہ آنے پر یہ اجتماع اس سال راولپنڈی میں ہوگا۔

(۴) رابطہ باہمی کے اہم مقصد کی کامیابی کے لئے اراکین بزمہائے طلوع اسلام کی فہرست ان کے پورے پتوں اور تعارف کے ساتھ شائع کی جائے۔ بزموں کی کارگذاریاں بھی شامل اشاعت ہوں۔

(۵) بزموں کے ارکان اپنے سیرت و کردار کو اسوۂ رسول اللہؐ سے قریب تر لانے میں کوشاں رہیں۔

(۶) طلوع اسلام کے مسلک و مقصد کے پیش نظر یہ ضروری ہے کہ کوئی رکن عملی سیاسیات اور مذہبی مناقشات میں حصہ نہ لے اور کسی ایسی حرکت کا مرتکب نہ ہو جس کی زد طلوع اسلام کے مقصد و مسلک اور تنظیم پر پڑے۔

(۷) سرکولیشن کو زیادہ سے زیادہ آگے بڑھانے کے لئے ہر رکن ہر سال بزم کے تین رکن یا طلوع اسلام کے تین خریدار یا تین پیشگی خریدار بنائے۔

(۸) کنونشن کے سالانہ اجتماعات کی ضروریات کے پیش نظر برتنوں کی طرح کرسیوں اور شامیانوں کے مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کی جائے۔

مذکورہ قراردادوں کے بعد ناظم اعلیٰ نے بزموں کے لئے اصولی ہدایات کو ایوان میں پیش کیا اور منظوری حاصل کی۔ (یہ ہدایات اس اشاعت میں شائع ہو رہی ہیں)

پانچویں نشست (بزم استفسارات)

(۳۰ اپریل تین بجے بعد دوپہر) - بزم استفسارات کے نام سے ثمر کاسئے کنونشن کی خواہش کے تحت ہر کنونشن میں اس بزم کا اجلاس ہوتا ہے۔ اجلاس کیا - تمام مندوبین و مبصرین ضابطہ کی رسمیات سے آزاد ہو کر ایک سجی سی مجلس کی صورت میں گھر کی طرح یکجا ہو بیٹھتے ہیں دین کے رموز و حقائق کو سوالات و جوابات کی صورت میں سمجھنے کے لئے یہ مجلس انتہائی سادگی کا رنگ لئے ہوتی ہے۔ نہ کوئی صدر، اور نہ کوئی باضابطہ ایجنڈا - پرویز صاحب "میر مجلس" کی طرح درمیان میں اور باقی سب ان کے گرداگرد دور تک پھیلے ہوئے - ماہتاب کے گرداگرد ستاروں کا دلآویز ہالہ - پیر مغاں کے حلقے میں رندان بلانوش کا سرمستیوں میں ڈوبا ہوا ہجوم - سوال و جواب کا پرکشش اور پرکیف سلسلہ - پیر مغاں نے پکارا......

بگیر ایں ہمہ سرمایۂ بہار از من

اور میکشوں نے دیوانہ وار اپنے ہاتھ ایک دوسرے سے آگے بڑھا دیئے۔ ساغر پہ ساغر لنڈھایا جا رہا تھا۔ متاعِ فقیر اس کے قافلے میں لٹائی جا رہی تھی۔ کتنے ہی اہم سوالات صفحۂ قرطاس پر بکھرے ہوئے آگے بڑھے۔ اور ان عقدہ ہائے اسرار و رموز کی گرہ کشائی ہوتی چلی گئی۔ پیرِ مغاں کے حضور سے کوئی ہاتھ نامراد واپس نہیں لوٹا۔ اقبالؒ نے شاید اسی منظر کی طرف اشارہ کرتے کہا تھا:-

ہجوم کیوں ہے زیادہ شراب خانے میں
فقط یہ بات کہ پیرِ مغاں ہے مردِ خلیق

زندگی اور اس کے رازہائے سربستہ، قرآن پاک کی آیاتِ دقیق، قانون طبیعات اور قانون مکافات کا رابطہ، مقامِ نبوت۔ کتنے ہی نکات تھے جو بے نقاب ہو کر سامنے آتے گئے۔ نہ میکشوں کی تشنگی کم ہونے میں آتی تھی اور نہ ساقیِ محفل کا دستِ فیض بخل سے کام لینا جانتا تھا۔ یہ بزمِ پُر نشاط کم و بیش ڈھائی گھنٹے جمی رہی۔ اور پھر جب یہ محفل اٹھی سب نے چائے کی میزوں کا رُخ کیا لیکن دلوں کی کیفیت یہ تھی کہ

مئے شبانہ کی مستی تو ہو چکی لیکن
کھٹک رہا تھا دلوں میں کرشمۂ ساقی

پرویز کے فکر و بصیرت کی بارگاہِ ناز میں ہر سرِ نیاز جھکا جا رہا تھا۔

چھٹی نشست (درسِ قرآن)

۳۰ اپریل (آٹھ بجے شب)۔ مندوبین و مبصرین ابھی رات کے کھانے سے بمشکل فارغ ہوئے تھے۔ بعض خوش طبعی میں مصروف اور بعض سرگرمِ گلگشت تھے۔ خیال تھا کہ کھانے میں تاخیر کے باعث یہ مجلس کچھ دیر سے شروع ہو گی۔ لیکن میر کارواں پروگرام کی پابندی کا شدت سے قائل تھا۔ ٹھیک آٹھ بجے انتہائی پُرسوز اور دلکش لَے میں یہ روح نواز نغمہ فضاؤں میں گونجتا سنائی دیا—

آبروئے ما ز نامِ مصطفےٰ است

محوِ خرام قدم اور کھانے کی طرف بڑھتے ہوئے ہاتھ وہیں کے وہیں رُک گئے۔ چہکتی ہوئی زبانوں پر سکوت کی مہریں لگ گئیں۔ محبوبِ حجازی کا ذکرِ جمیل —— اقبالؒ کے قلم سے اور خلیل مرزا کی لَے میں —— سب کے قدم تیزی سے پنڈال کی طرف اٹھ گئے۔ آناً فاناً سارا پنڈال بھر گیا۔ خلیل مرزا اقبالؒ کی کوثر و تسنیم کی موجوں میں دھلی ہوئی زبان سے بارگاہِ رسالتمآب میں نذرِ خلوص پیش کر رہے تھے اور دیوانۂ رسالت پرویز کی چشمِ اشکبار سے گہرہائے تابدار کا سلسلہ جاری تھا۔ ایوان کی فضا میں چاروں طرف جذب و مستی کا کیف برسنے لگا۔ اور جب یہ دلکش نغمہ ختم ہوا تو دل عجیب سرمستیوں میں ڈوبے جا رہے تھے۔

عراقِ دلنشیں کا یہ ساز خاموش ہوا تو پرویز صاحب نے سرورِ جانفزا سے انگڑائی لی۔ درسِ قرآن کے سلسلے میں سب کو ان کے خطاب کا انتظار تھا۔ راولپنڈی کنونشن میں یہ اصرار ہوا کہ پرویز صاحب نے قرآن کریم کا جو لغت مرتب کیا ہے، اس سے کچھ اوراق بطور نمونہ سامنے لائے جائیں تاکہ اندازہ ہو سکے کہ اس سے قرآن فہمی میں کیا مدد ملے گی۔ اس تقاضا

(باقی صفحہ [illegible] پر دیکھئے)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دمم بہ غنچہ زدہ طائر

پیامِ فصلِ بہار

بہ نشیمن و سیم یاسمن بریزم

محترم پرویز صاحب کی تقریر جس سے اُنھوں نے طلوعِ اسلام کی
تیسری سالانہ کنونشن (لاہور)
منعقدہ ۱۹-۲۰-۲۱ اپریل ۱۹۵۹ء سے خطاب کیا

شائع کردہ ادارہ طلوعِ اسلام لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیام بہ ہمصفیرانِ چمن

سحر در شاخسارِ بوستانے چہ خوش می گفت مرغِ نغمہ خوانے

بر آور ہر چہ اندر سینہ داری سرودے، نالۂ، آہے، فغانے

برادرانِ عزیز! سلام و رحمت

بللہ الحمد کہ یہ قافلۂ بہار، جو آج سے قریب اڑھائی سال قبل[1] مانندِ نسیمِ صبح گاہی، نہایت نرم خرامی سے آمادہ بسفر ہوا تھا، ہولناک وادیوں کی وحشت سامانیوں سے بے خطر، گل پوش و آئینہ پاش روشوں کی دلکشیوں سے بے نیاز، حوصلہ شکن و ہمت رُبا چٹانوں کی راہ بندیوں سے بے پرواہ، سودائے حصولِ منزل سے سرمست ما نندِ کہکشاں بجز بیابان مرغزار، قدم بقدم آگے بڑھتا، آج اُس مقام تک آپہنچا ہے جہاں فضا میں ہر طرف مرغانِ ہم نوا کے چہچہے فردوسِ گوش بنتے ہیں اور ہر فردِ کارواں سے پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ

گئے دن کہ تنہا تھا تو انجمن میں

یہاں اب مرے رازداں اور بھی ہیں

آپ احباب نے اس مختصر سے عرصہ میں، باغ و راغِ مملکت کے ہر گوشے میں جس خوش نوائی اور ہم آہنگی سے نشیدِ قرآنی کو عام کیا ہے یہ اس کا اثر ہے کہ آج اس کا ہر مرغِ خوش الحان آپ کا ہم نوا دکھائی دیتا ہے اور اس حقیقتِ کبریٰ کی

---

[1] پہلی کنونشن نومبر ۱۹۵۶ء میں منعقد ہوئی تھی۔

علیٰ وجہ البصیرت شہادت دیتا ہے کہ

شورشِ عندلیب نے روح چمن میں پھونک دی
ورنہ یہاں کلی کلی مست تھی خواب ناز میں

کنونشن کی تاریخوں میں تبدیلی

آپ نے راولپنڈی میں اس اجتماع کے لئے تاریخوں کی تبدیلی کا جو فیصلہ کیا تھا، بظاہر اس کا محرک جذبہ موسم کی ناسازگاری سے تحفظ تھا۔ لیکن آج ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ کی فکری اور قلبی دنیا میں جو انقلاب بیدار ہو رہا ہے، اُس فیصلہ میں غیر شعوری طور پر اُس کا بھی ہاتھ کارفرما تھا۔ بہار کا موسم وہ ہے جس میں کائنات کے گوشے گوشے میں نئی زندگی کی نمود ہوتی ہے شجرِ حیات کی ہر شاخ سے حسنِ خوابیدہ انگڑائیاں لے کر بیدار ہوتا ہے۔ چٹیل میدانوں میں سبزۂ نورستہ اور خشک ٹہنیوں سے گُلِ نودمیدہ آنکھیں ملتا ہوا اُٹھتا ہے اور ہر دیدۂ بینا سے پکار پکار کر کہتا ہے کہ فَانْظُرْ اِلٰی اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰہِ کَیْفَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا (۳۰/۵۰) تم سحابِ فیض کی نیساں باریوں اور گہرفشانیوں کو دیکھو کہ اس نے کس طرح زمینِ مردہ کو حیاتِ تازہ عطا کر دی ہے۔

خیز کہ در کوہ و دشت خیمہ زد ابرِ بہار
مستِ ترنم ہزار
طوطی و دُرّاج و سار
بر طرفِ جوئبار
کشتِ گُل و لالہ زار
چشمِ تماشا بیار
خیز کہ در کوہ و دشت خیمہ زد ابرِ بہار
خیز کہ در باغ و راغ قافلۂ گُل رسید
بادِ بہاراں وزید
مرغِ نوا آفرید
لالہ گریباں درید
حسن، گُلِ تازہ چید
عشق، غمِ نو خرید
خیز کہ در باغ و راغ قافلۂ گُل رسید

حیاتِ نو کی طلب

خدا کے کائناتی قانون کا یہی تقاضا تھا جس سے آپ غیر شعوری طور پر متاثر ہو کر، اس مقام پر موسم بہار میں خیمہ زن ہوئے ہیں تاکہ اپنے نشو ونما دینے والے سے کہیں کہ ہم نے خارجی کائنات میں تیرے نظامِ ربوبیت کی قدرت کاریوں سے حیاتِ نو کی نمود دیکھ لی ہے۔ لیکن ہماری آرزو یہ ہے کہ رَبِّ اَرِنِیْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى (۲/۲۶۰) ہمیں دکھا کہ تو دلوں کے ویرانوں کو کس طرح از سرِ نو آباد کیا کرتا اور مردہ قوموں کو کس طرح زندہ اقوام کی صف میں کھڑے ہونے کے قابل بنایا کرتا ہے۔ یہی ہے وہ نقطۂ پرکارِ تمنا جس کے لئے ہم یہاں جمع ہوئے ہیں اور یہی ہے وہ سوال جس کے جواب کے لئے ہم اُس خدائے بلند و برتر کی آستان پر جھولی پھیلائے کھڑے ہیں جس کا اعلان ہے کہ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (۲/۱۸۶) "میں (اپنی کتابِ زندہ کے ذریعے) ہر اُس شخص کے سوال کا جواب دیتا ہوں جو مجھے پکارتا ہے۔" وہاں سے جواب لینے کے لئے انسان کی پکار میں سچی طلب، آرزو میں شدت اور ذہن میں سمجھنے کی صلاحیت شرط ہے۔ جب مانگنے والا اس نہج سے مانگتا ہے تو اس کی کتاب خود آگے بڑھ کر اس کا استقبال کرتی ہے۔

شعاعِ مہر خود بیتاب ہے جذبِ محبت سے
حقیقت ورنہ سب معلوم ہے پروازِ شبنم کی

خوش بخت ہیں وہ جو صحنِ چمن کائنات کی لالہ کاریوں کے ساتھ، اپنے دل کی کھیتی کی سیرابیوں اور شادابیوں کے سامان کی بھی تلاش کریں۔ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ (۱۳/۲۹)

عسکری انقلاب

رفیقانِ محترم! جب ہم پچھلی مرتبہ (اکتوبر ۱۹۵۸ء میں) راولپنڈی میں جمع ہوئے ہیں، اُس کے بعد، ہمارے ہاں کی فکر ونظر کی دنیا میں جو تبدیلیاں ہوئی ہیں، ان سے کہیں بڑھ کر وہ خارجی انقلاب ہے جو مملکتِ پاکستان میں نمودار ہوا ہے۔ سطح بین نگاہوں کے نزدیک یہ انقلاب شاید محض بساطِ سیاست کی مہرہ بازیوں کا نتیجہ ہو لیکن جن کی نظریں سطح سے نیچے اُتر کر گہرائی تک پہنچتی ہیں وہ جانتے ہیں کہ اس کے پیچھے کائناتی قوتوں کا ہاتھ بھی کارفرما تھا۔ یہی وہ قوتیں ہیں جنہیں عام الفاظ میں زمانے کے تقاضے کہا جاتا ہے۔ زمانے کے تقاضے پکار پکار کر کہہ رہے تھے کہ

پرانی سیاست گری خوار ہے — زمیں میر و سلطاں سے بیزار ہے
گیا دورِ سرمایہ داری گیا — تماشا دکھا کر مداری گیا

باقی دنیا تو زمانے کی اس پکار کو دل کے کانوں سے سُن رہی تھی لیکن ہماری حالت یہ تھی کہ ہم اپنے کانوں پر مفاد پرستیوں کے لحاف لپیٹ کر سو رہنا چاہتے تھے۔ اگر کچھ وقت تک اور ہمارا یہی حال رہتا تو کم از کم مجھے تو صاف نظر آ رہا تھا کہ اس خلا کو

پُر کرنے کے لئے کمیونزم کا سیلاب اپنی تلاطم خیزیوں کے ساتھ اُمنڈ کر آجائے گا اور ہمارے تمام نظریاتِ زندگی اور تصوّراتِ حیات کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جائے گا، غنیمت ہے کہ اس طوفانِ بلا انگیز کی آمد سے پہلے ہم نے خود اپنے ہاتھوں سے اپنے ہاں ایسی تبدیلی پیدا کر لی جس سے سرمایہ داری کی پروردہ اور مفاد پرستیوں کی سیاست کی بساط اُلٹ گئی۔ اس انقلاب کا پہلا مظاہرہ زرعی اصلاحات کی شکل میں سامنے آیا ہے۔

زرعی اصلاحات

قرآن کریم کی رُو سے، ملکیتِ زمین کی جو پوزیشن ہے اس کے متعلق ہمارے لٹریچر میں اتنا کچھ آچکا ہے کہ اس وقت اس ضمن میں تفصیل سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ جیسا کہ آپ احباب کو معلوم ہے، اسلام میں زمین کی انفرادی یا اجتماعی ملکیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا قرآن نے معاشی نظام کا جو تصوّر دیا ہے اس کی رُو سے

(۱) زمین تمام نوعِ انسانی کے لئے رزق کا سرچشمہ ہے۔

(۲) اسلامی مملکت کی ذمہ داری ہے کہ وہ تمام افراد کی بنیادی ضروریاتِ زندگی بہم پہنچائے۔ اس میں ذمہ داری کا لفظ قابلِ غور ہے یعنی مملکت صرف اتنا کہہ دینے سے اپنے اس فریضہ سے سبکدوش نہیں ہو سکتی کہ ہم لوگوں کے لئے سامانِ زیست بہم پہنچانے کی پوری پوری کوشش کریں گے۔ سامانِ زیست کی بہم رسانی اس کی بنیادی ذمہ داری اور اس کی ہستی کے لئے وجہِ جواز (Justification For Its Existence) ہے۔ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ۔ وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (۲۲/۴۱) قرآن کا واضح ارشاد ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جب خدا کے نام پر مملکت قائم کرنے والوں کو اقتدار حاصل ہوگا تو وہ ایسا معاشرہ قائم کریں گے جس میں تمام افراد قوانینِ خداوندی کا اتباع کریں۔ یہ معاشرہ تمام افرادِ انسانیہ کو ان کی نشو و نما کا سامان بہم پہنچائیگا اُن باتوں کا حکم دے گا جنہیں قرآن کی بنیادی تعلیم صحیح تسلیم کرے۔ ان سے روکے گا جنہیں وہ نامناسب قرار دے۔ مختصر آیہ کہ اس معاشرہ میں ہر معاملہ کا فیصلہ کتاب اللہ کے مطابق ہوگا۔

(۳) ظاہر ہے کہ یہ مملکت اپنی اس اہم ذمہ داری سے عہدہ برا نہیں ہو سکتی جب تک ذرائعِ رزق اس کی تحویل میں نہ رہیں۔

(۴) لہٰذا، قرآن کی رُو سے زمین اور دیگر وسائلِ پیداوار کا مملکت کی تحویل میں رہنا ضروری ہے۔ اس کے برعکس، ہمارے ہاں "شریعت کا فیصلہ" یہ بتایا جاتا تھا (یعنی اُس شریعت کا فیصلہ جو ہمارے جاگیردارانہ دور میں وضع ہوئی تھی) کہ زمین پر انفرادی ملکیت بے حد و بے نہایت جائز ہے اور اس کا کلیتہً مملکت کی تحویل میں چلے جانا تو ایک طرف، حکومت کو اس کا بھی حق نہیں پہنچتا کہ اس پر کسی قسم کی تحدید (Limitation) عائد کر سکے۔

اس انقلاب نے زمین کی ملکیت کی حد بندی کر کے اس غلط مفروضہ کو کالعدم قرار دیدیا ہے کہ زمین پر افراد کی ملکیت ہوتی ہے اور اس پر کسی قسم کی حد بندی نہیں کی جا سکتی۔ زرعی اصلاحات کمیشن کی رپورٹ میں تو اس حقیقت کو بھی تسلیم کر لیا گیا ہے کہ زمین پر افراد کی ملکیت ہو ہی نہیں سکتی۔ اس میں، پہلے، موجودہ مالکان اراضی کا نظریہ پیش کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ

زرعی کمیشن کی رپورٹ زمیندار کے نقطۂ نگاہ سے زمین کی ملکیت پر کسی قسم کی حد بندی کرنا ایک حادثۂ عظیم ہے۔ اُس کے نزدیک ایسا اقدام کمیونزم کے مرادف اور یکسر غیر اسلامی ہے۔ وہ ایسا کہتے وقت اس بات کو قابلِ اعتنا ہی نہیں سمجھتا کہ کم از کم چار اسلامی ممالک — یعنی مصر، شام، ترکی اور عراق — نے ملکیتِ زمین پر حد بندی عائد کر رکھی ہے۔ اس کا کہنا یہ ہے کہ اس مقصد کے لئے زمین کو دیگر اقسام جائداد سے الگ کیوں کیا جاتا ہے۔ اگر زمین کی ملکیت پر حد بندی عائد کرنی ہے تو دولت کی دیگر اقسام، مثلاً کارخانوں وغیرہ پر بھی اسی طرح حد بندی عائد کرنی چاہیئے۔ (رپورٹ صفحہ ۲۵-۲۶)

آپ احباب اس حقیقت سے بے خبر نہیں کہ یہ دلائل زمیندار کے ذہن کے پیدا کردہ نہیں۔ انہیں ہمارے علمبرداران شریعت نے ان کے لئے بہم پہنچایا تھا۔ (یہ جملہ معترضہ تھا) رپورٹ میں، مندرجہ بالا نظریہ پیش کرنے کے بعد لکھا ہے۔

زمیندار کو اس حقیقت کو ہمیشہ سامنے رکھنا چاہیئے کہ زمین پر حق ملکیت مطلق (Absolute) نہیں۔ (صفحہ ۲۶)

اس نقطہ کی وضاحت کے ضمن زمین کے معاوضہ کے سلسلہ میں رپورٹ میں لکھا ہے کہ

ہم نے ملکیتِ زمین کے سوال پر بحث کرتے وقت یہ کہا تھا کہ جب تک زمین کی پیداوار میں مملکت کا حق تسلیم کیا جائے گا جو لگان کی شکل میں ادا کیا جاتا ہے زمین کی ملکیت کو مطلق (Full Ownership) قرار نہیں دیا جا سکتا۔ نظری طور پر دیکھا جائے تو مملکت کو اس کا پورا پورا اختیار ہے کہ وہ شرح لگان اس حد تک بڑھا دے کہ مالک الارضی کو زمین کی پیداوار میں سے کچھ بھی نہ بچے۔ چونکہ زمین کی قیمت سے مفہوم یہ ہے کہ زمیندار کو زمین سے جو کچھ حاصل ہونا تھا اسے یک مشت ادا کر دیا جائے اس لئے، مذکورہ بالا نظریہ کی روشنی میں، یہ چیز حق ملکیت کے بنیادی تصور کے قطعاً خلاف نہیں کہی جا سکتی 'اگر مملکت زمین کا کچھ بھی معاوضہ نہ دے۔ (صفحہ ۴۳)

آپ نے دیکھا کہ زرعی کمیشن اپنی تحقیقات کے بعد جس نتیجہ پر پہنچا ہے وہ کس طرح قرآن کے بنیادی تصور کے قریب ہے

ملہ دیکھئے مسئلہ ملکیتِ زمین از سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی۔

تاریخ بتاتی ہے کہ جب حضرت عمرؓ کے زمانے میں مملکت کو ایسے قطائع اراضی کی ضرورت پڑی جو اس وقت تک افراد کے پاس تھے تو انہیں بالمعاوضہ حاصل کر لیا گیا۔ نیز جو لوگ اسلام لاتے ان کی زمینیں شروع ہی سے مملکت کی تحویل میں چلی جاتیں۔ ان تصریحات سے یہ حقیقت آپ کے سامنے آگئی ہوگی کہ اراضیات کی تحدید کے متعلق حکومت کا فیصلہ قرآنی نظامِ معاش کی سمت ایک جرأتمندانہ اقدام ہے۔

رقبۂ اراضی

حکومت نے جس قدر رقبۂ اراضی انفرادی ملکیت میں رہنے دیئے جانے کا فیصلہ کیا ہے بعض حضرات کے نزدیک وہ بہت زیادہ ہے۔ اور تو اور، خود زرعی کمیشن کے ایک ممبر (محترم غلام اسحٰق خان صاحب) کی بھی یہی رائے تھی جس کا اظہار رپورٹ میں کیا گیا ہے۔ لیکن کمیشن نے اس ضمن میں کہا ہے کہ

> تحدیدِ ملکیت کے متعلق ہم نے جو کچھ تجویز کیا ہے اس باب میں متعدد عناصر نے ہماری راہ نمائی کی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ غیر محدود ملکیت سے محدود ملکیت کی طرف انتقال ایسے ہموار انداز سے ہو کہ زمیندار کے لئے اپنے ماضی سے انقطاع اس قسم کی دشواریاں پیدا نہ کر دے جن کی وجہ سے زندگی بسر کرنا مشکل ہو جائے یعنی اس کی آمدنی میں یک لخت اتنی کمی نہ آ جائے جس سے اس کا گزارہ نہ ہو سکے۔ (ص ۲۹)

اس سے ظاہر ہے کہ حکومت اس باب میں اپنے منتہیٰ تک بتدریج پہنچنا چاہتی ہے۔ یعنی انہوں نے جو موجودہ فیصلہ کیا ہے تو

یہ آنسوؤں کی کمی نہیں ہے۔ رعایتِ ظرفِ آستیں ہے

اس سے امید کی جا سکتی ہے کہ حکومت اگر اسی نہج سے مزید اقدامات کرتی رہی تو وہ رفتہ رفتہ قرآن کی متعین کردہ منزل تک پہنچ جائے گی جہاں نہ صرف زمین، بلکہ جملہ وسائلِ پیداوار، انفرادی ملکیت سے نکل کر مملکت کی تحویل میں چلے جاتے ہیں اور مملکت ان سے، افرادِ مملکت کی بنیادی ضروریاتِ زندگی مہیا کرنے کی عظیم ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوتی ہے۔ اسی کو نظامِ ربوبیت کہتے ہیں، جو خدا کی صفت، ربّ العالمین کا (بشری حدود کے اندر) عکس ہے۔ صِبْغَةَ اللّٰهِ وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّ نَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ۔ (۲/۱۳۸)

آپ نے غور کیا کہ خدا کے کائناتی قوانین کس طرح دنیا کو صحیح راستہ کی طرف لائے چلے جا رہے ہیں۔

انسانیت کی نجات و سعادت

حقیقت یہ ہے کہ انسانیت کی نجات و سعادت کے لئے اس راستے کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں جسے قرآن کریم نے ابدی اصولوں کی حیثیت سے متعین کر کے دے دیا ہے۔ دنیا جتنے اور راستوں پر جی چاہے چل کر دیکھ لے، اسے اپنے ناکام تجارب کے بعد اسی راستے کی طرف آنا ہوگا جس کا تعین قرآن نے کیا ہے اور جس پر اس ذاتِ اقدس و اعظم (علیہ التحیۃ والسلام) کے نقوشِ قدم درخشندہ ستاروں کی طرح چمک رہے ہیں جس نے خود اس راستہ پر چل کر نوعِ انسان کو احترامِ آدمیت کی

منزل تک پہنچا کر دکھایا تھا۔ زمانہ اس حقیقت پر شاہد ہے کہ اس چودہ سو سال کے عرصہ میں بتدریج انقلابات رونما ہوئے ہیں ان سب کا رخ اسی منزل کی طرف تھا اور جو صحیح انقلاب اس کے بعد برپا ہوں گے ان کا رخ بھی اسی سمت کو ہو گا۔

شبِ نظرِ خیال کے انجم اِ جگر کے داغ
جتنے چراغ ہیں اسی محفل سے آئے ہیں

احبار و رہبان

لیکن جہاں یہ حقیقت وجۂ صد مسرت ہے کہ انسانیت ہر ناکام تجربہ کے بعد قرآن کے متعین کردہ نصب العین کی طرف آتی ہے۔ وہاں یہ امر باعث ہزار تعجب و تاسف ہے کہ قرآن کی سب سے زیادہ مخالفت خود جماعتِ ارباب مذہب کی طرف سے ہوتی ہے۔

یکے بشہر نگہ کن، چہ انقلاب افتاد
کہ رند میکدہ بیدار و پارسا خفتہ است

اور یہ بھی کوئی نئی بات نہیں۔ قرآن کریم نے مسلمانوں کو واضح الفاظ میں متنبہ کر دیا تھا کہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ (۹/۳۴)۔ اے ایمان والو! اس حقیقت کو بگوشِ ہوش سن رکھو کہ علماء و مشائخ کی اکثریت کا یہ عالم ہے کہ یہ لوگوں کا مال، تعمیری نتائج مرتب کئے بغیر، ناحق کھا جاتے ہیں اور خدا کے بندوں کو خدا کے راستے سے بہکا کر دوسرے راستوں پر ڈال دیتے ہیں۔ تاریخِ انسانیت، اور خود اسلام کی سرگذشت اس پر شاہد ہے کہ ملحد اور بے دین لوگ، دوسروں کو خدا کے راستے سے پھیرنے میں کبھی اتنے کامیاب نہیں ہوتے جتنے کامیاب وہ لوگ ہوتے ہیں جن کا دعویٰ یہ ہو کہ وہ خدا کی طرف دعوت دینے والے ہیں لیکن درحقیقت وہ خدا کا راستہ روک کر کھڑے ہوں۔ اس کی وجہ ظاہر ہے۔ جھوٹ اگر کسی کے سامنے اپنی اصلی شکل میں (بے نقاب) آئے تو وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اسے اپنی

جھوٹ سچ کے نقاب میں

کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ وہ سچ کا لبادہ پہن کر آئے۔ ایک شخص آپ کے پاس آکر کچھ باتیں کرتا ہے۔ آپ اس کا یقین کر لیتے ہیں اور جو کچھ وہ چاہتا ہے، ویسا کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن عین اس وقت وہ آپ سے کہتا ہے کہ سچی! میں نے جو کچھ آپ سے کہا ہے وہ سب جھوٹ ہے۔ کہئے! اس کے بعد آپ اس کے لئے وہ کچھ کر دیں گے جس کے لئے آپ آمادہ ہو چکے تھے؟ کبھی نہیں کریں گے۔ آپ وہ کچھ اسی صورت میں کریں گے جب وہ آخر تک قسمیں اٹھا اٹھا کر آپ کو یقین دلاتا جائے کہ وہ جو کچھ کہتا ہے سچ ہے۔ اس سے واضح ہے کہ جھوٹ کو اپنی کامیابی کے لئے سچ کا نقاب اوڑھنا پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خدا کا راستہ روکنے میں وہی لوگ کامیاب ہو سکتے ہیں جو خدا پرستی کا نقاب اوڑھ کر سامنے آئیں۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کی طرف قرآن نے یہ کہہ کر اشارہ کیا ہے کہ ان لوگوں کی ٹیکنیک یہ ہے کہ يَكْتُمُونَ الْكِتَابَ

بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِندِ اللَّهِ۔ خود اپنی طرف سے بات بنالیتے ہیں (اپنے ہاتھوں سے تحریر لکھتے ہیں) اور اس کے متعلق مشہور کر دیتے ہیں کہ وہ خدا کا حکم ہے۔ اور مقصد اس سے یہ ہوتا ہے لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا (۲/۷۹)۔ تاکہ اس سے چار پیسے کما لئے جائیں۔ اگر یہ لوگ اپنے فتاویٰ کے متعلق کہیں کہ انہیں ہم نے اپنے جی سے گھڑ لیا ہے۔ وہ خدا کا حکم نہیں، تو کوئی شخص ان کے فریب میں نہ آئے۔ ان کا فریب کامیاب ہوتا ہی اس صورت میں ہے جب یہ اپنے فیصلوں کو خدا کا حکم کہہ کر پیش کریں۔

دوسری قوموں کے لئے یہ معلوم کرنا مشکل تھا کہ جو کچھ ان کے ارباب شریعت ان سے کہتے ہیں وہ خدا کا حکم ہے یا ان کا اپنا فیصلہ۔ اس لئے کہ ان کے پاس خدا کی کتاب اپنی اصلی شکل میں موجود نہیں تھی۔ لیکن ہماری پوزیشن ان سے بالکل مختلف ہے۔ ہمارے پاس خدا کی کتاب حرفاً حرفاً محفوظ ہے اور ہر شخص کی اس تک رسائی ہو سکتی ہے۔

یہ غنیمت ہے کہ میخانہ اب تک باز ہے

ہمارے لئے کرنے کا کام فقط اتنا رہ جاتا ہے کہ جو کچھ ہمارے سامنے دین کے نام سے پیش کیا جائے اسے خدا کی کتاب کے سامنے لے جائیں اور اس سے فیصلہ لیں کہ وہ واقعی خدا کا حکم ہے یا اس کی طرف یونہی منسوب کر دیا گیا ہے۔

چارہ این است کہ از عشق گشادے طلبیم
پیش او سجدہ گذاریم و مرادے طلبیم

آئین کی تنسیخ

برادرانِ عزیز! عسکری انقلاب کا پہلا کارنامہ آپ کے سامنے آچکا۔ اس کا دوسرا کارنامہ اس آئین کی تنسیخ ہے جس کا اکثر و بیشتر حصہ غیر اسلامی تھا لیکن اس کے باوجود حضرات علمائے کرام نے اس کے عین اسلامی ہونے کا فتویٰ صادر فرما دیا تھا۔ ہم جو خطۂ پاکستان میں خالص قرآنی نظام کی تشکیل کے لئے متمنی ہیں، ہزار چاہتے تھے کہ سنہ ۱۹۵۶ء کا آئین بدلے تا غیر قرآنی آئین میں تبدیلی ہو جائے۔ لیکن ہمارے لئے اس آئین میں ضروری اور بنیادی تبدیلیاں کرانے کے لئے آئینی اور جمہوری طریق کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہ تھا اور ہماری کوششوں کا رُخ اسی سمت کو تھا۔ ہم اچھی طرح سمجھتے تھے کہ یہ راستہ بڑا طویل اور زمانے کی رفتار بڑی تیز ہے لیکن جیسا کہ میں نے ابھی ابھی کہا ہے ہمارے سامنے اس کے سوا کوئی طریق کار نہیں تھا۔ مسافت کی لمبائی سے گھبرا کر خود اپنے احباب میں سے بعض میرے پاس آتے اور کہتے کہ اس طریق سے ہم اپنی منزل تک کس طرح اور کب پہنچ سکیں گے؟

آہ کو چاہیئے اک عمر اثر ہونے تک
کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک

میں ان سے کہتا کہ مجھے آپ کی بیتابیٔ تمنّا کا پورا پورا احساس ہے لیکن آپ کو صبر طلبیٔ عشق[1] پر بھی تو نگاہ رکھنی پڑے گی۔ لیکن میں دیکھتا تھا کہ اس سے ان کا اطمینان نہیں ہوتا تھا اور یوں ان قلوب پر بھی مایوسی اثر انداز ہوتی چلی جا رہی تھی جنہیں استقرار تھا کہ مایوسی کفر ہے۔ ان حالات میں عسکری انقلاب آیا اور اُس نے بیک جنبشِ قلم پورے کے پورے آئین کو کالعدم قرار دیدیا۔

عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصّہ تمام
اس زمین و آسماں کو بیکراں سمجھا تھا میں

تخریب کے بعد تعمیر

لیکن یہ اس پروگرام کا صرف تخریبی حصّہ ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جس تخریب کے ساتھ تعمیر نہ ہو وہ تخریب مفید ہونے کے بجائے الٹی مضر ہو جاتی ہے۔ اسی لئے قرآن نے کہا ہے کہ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انفِصَامَ لَهَا (۲/۲۵۶) جو شخص غیر خدائی قانون سے انکار کرے، قانون خداوندی کو اپنا نصب العین بنالیتا ہے، وہ ایسے محکم رشتے کو تھام لیتا ہے جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتا۔ اقبالؔ کے الفاظ میں۔

کہنہ را در شکن و باز بہ تعمیر خرام
ہر کہ در ورطۂ لا ماند بہ الّا نرسید

اس اعتبار سے دیکھئے تو آج ہم پھر اس مقام پر کھڑے ہیں جہاں ۱۹۴۷ء میں تھے۔ یعنی ہمارے پاس ایک آزاد مملکت ہے جس کا آئین ہم نے مرتب کرنا ہے۔ سوال یہ ہے کہ وہ آئین کس قسم کا ہونا چاہیئے۔ ہم نے ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۸ء تک اپنی بساط کے مطابق مسلسل کوشش کی کہ قوم کو بتایا جائے کہ وہ آئیڈیالوجی کیا تھی جسے عملی قالب میں ڈھالنے کے لئے پاکستان کا خطۂ زمین حاصل کیا گیا تھا، اور ایک اسلامی مملکت کا آئین کس قسم کا ہوتا ہے۔ اگرچہ ہماری طرف سے پیش کردہ قرآنی تصور، ہماری توقعات سے کہیں زیادہ عام ہوا لیکن مفاد پرست گروہوں کے حربے زیادہ مؤثر تھے اس لئے مملکت کا آئین اسلامی نہ بن سکا۔ معلوم ہوتا ہے کہ فطرت کی میزان میں ہماری یہ ہلاکت ابدی نہ تھی۔ اس لئے ہمیں دوبارہ موقع دیا گیا ہے کہ ہم اپنی غلطی کی تلافی کر سکیں ورنہ عام طور پر ہوتا یہی ہے کہ

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملّت کے گناہوں کو معاف

لیکن ملک کی بدقسمتی ملاحظہ کیجئے کہ ادھر آئین کی ترتیب نو کا سوال سامنے آیا ادھر پھر انہی تخریبی عناصر نے

---

[1] عاشقی صبر طلب اور تمنّا بیتاب　　دل کا کیا رنگ کروں خونِ جگر ہونے تک

آئینِ نو کی ترتیب کا سوال

سر کا نشانہ وسیع کر دیا جنہوں نے اس سے پہلے نو سال تک اپنی ہر قوت کو اس "جہادِ عظیم" میں صرف کر دیا تھا کہ پاکستان میں صحیح اسلامی آئین مرتب نہ ہونے پائے خواہ اس سے خود اسلام دنیا کی نظروں میں مضحکہ کیوں نہ بن جائے اور اسلامک آئیڈیالوجی کے دعاوی فریب بن کر کیوں نہ دکھائی دینے لگیں۔

خوشم کہ گنبدِ چرخِ کہن فرو ریزد
اگرچہ خود ہمہ بر فرقِ من فرو ریزد

اب پھر نئے سرے سے ان سوالات میں غلط بحث پیدا کیا جا رہا ہے کہ اسلامی آئین کسے کہتے ہیں۔ اسلامی مملکت کے امتیازی خط و خال کیا ہوتے ہیں۔ کیا پاکستان میں اسلامی آئین مرتب کیا جا سکتا ہے۔ (وغیرہ وغیرہ)۔ جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں، ان موضوعات پر میں مسلسل دس برس سے لکھتا چلا آ رہا ہوں اس لئے اس وقت ان تفاصیل میں جانے کی نہ ضرورت ہے نہ فرصت۔ میرے خیال میں اس وقت صرف اتنا کافی ہوگا کہ اسلامی مملکت کا اجمالی نقشہ آپ حضرات کے سامنے پیش کر دیا جائے۔

سیکولر اسٹیٹ اور قرآنی مملکت میں فرق

سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ سیکولر اسٹیٹ (Secular State) اور قرآن کی رو سے دینی مملکت میں فرق کیا ہے۔ تفاصیل کے اعتبار سے دیکھئے تو ان دونوں کے فرق کی داستان طول طویل ہے لیکن اصولی طور پر سمجھنا چاہیں تو اسے چند فقروں میں سمایا جا سکتا ہے۔ سیکولر اسٹیٹ کا مقصود و منتہیٰ اپنے ملک یا قوم کے مفاد کا تحفظ ہوتا ہے اور اس مقصد کے حصول کے لئے جو ذریعہ مناسب سمجھا جائے اس کا اختیار کر لینا نہ صرف جائز بلکہ ضروری قرار پاتا ہے۔ بالفاظِ دیگر اس اسٹیٹ کا اصول (اگر ایسا کہنے سے اصول کے لفظ کی توہین نہ ہو) مصلحتِ وقت کا تقاضا یا (Expediency) ہوتا ہے۔ اربابِ علم سے پوشیدہ نہیں کہ اس مذہبِ سیاست کا امام اٹلی کا مشہور مدبر میکیاولی (Niccolo Machiavelli) اور اس کا صحیفہ اس کی شہرۂ آفاق کتاب (The Prince) ہے۔ اس کتاب میں وہ جس مسلک کی تلقین کرتا ہے اس کا ملخص یہ ہے کہ

> ہر وہ جرم جس سے سلطنت کی قوت بڑھے مستحقِ ستائش ہے اور ہر وہ فریب جس سے کامیابی حاصل ہو درخورِ تبریک و تحسین۔ عدل و انصاف، قوت کا دوسرا نام ہے۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس، فطرت کا صحیح اصول ہے۔ جنگ ہو یا امن، مملکت کے لئے سب سے زیادہ مؤثر ہتھیار قوت اور فریب ہیں۔ حکمران کے لئے صفتِ روباہی نہایت ضروری ہے تا کہ وہ دجل و فریب کے جال بچھا سکے اور خوئے شیری بھی تا کہ وہ بھیڑیوں کو خائف رکھ سکے۔ اس میں نیک عادات کا ہونا

ضروری نہیں، البتہ یہ ضروری ہے کہ ایسا معلوم ہو کہ وہ بڑا نیک ہے۔ اگر اس میں کوئی نیک عادت پیدا ہو جائے تو اس میں بھی چنداں مضائقہ نہیں لیکن یہ نہایت ضروری ہے کہ اس کے دل کی حالت ہمیشہ ایسی رہے کہ جونہی وہ دیکھے کہ مصلحتِ وقت کا تقاضا ایسا ہے کہ اس نیک عادت کو الگ کر دیا جائے تو وہ بلا ادنیٰ تامل اس کے خلاف عمل کر سکے۔

عصر حاضر میں مذہب و سیاست کی یہی وہ باطل ہے جس سے متاثر ہو کر (Lord Grey) نے کہا تھا کہ "سلطنتوں کے معاملات اخلاقی ضابطوں کی رو سے طے نہیں پایا کرتے"۔ اور (Walpole) نے لکھا تھا کہ

نیک آدمی کسی بڑی سلطنت کو بچا نہیں سکتے، اس لئے کہ سلطنتوں کو بچا لینے کے لئے جس حد تک بعض اوقات جانا ضروری ہو جاتا ہے نیک آدمی وہاں تک جا نہیں سکتے۔

یہی وہ سیاست ہے جس کی رو سے اخلاقیات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے ایک (Private Morality) اور دوسرا (Public Morality) یعنی ذاتی معاملات میں ضابطۂ اخلاق اور ہونا چاہیئے اور سیاسی معاملات میں اور۔ ان دونوں ضوابط میں کیا فرق ہے، اس کے لئے اٹلی کے مشہور سیاستدان (Cavour) کا یہ اعتراف کسی وضاحت کا محتاج نہیں جس میں اس نے کہا ہے کہ

اگر ہم وہی کچھ اپنی ذات کے لئے کریں جو کچھ ہم نے مملکت کے لئے کیا ہے تو ہم کتنے بڑے شیطان کہلائیں گے۔

اس معیار کے مطابق کوئی محبِ وطن "جتنا بڑا شیطان ہوتا ہے مملکت اتنا ہی بڑا اس کا مجسمہ نصب کرتی ہے اور وہ آنے والی نسلوں کے لئے ہیرو قرار پا جاتا ہے۔ یہ ہے سیکولر سٹیٹ کا بنیادی تصور۔ اس کے برعکس دینی مملکت کا تصور یہ ہے کہ انسانی زندگی کے لئے کچھ اصول ایسے ہیں جو غیر متبدل (Inviolable) ہیں۔ ان میں کسی حالت میں بھی تغیر و تبدل نہیں کیا جا سکتا۔ سیکولر سٹیٹ میں اقتدارِ اعلیٰ (Sovereignty) جمہور کو حاصل ہوتا ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ جمہور کے نمائندے، اکیاون فی صد آراء سے جس قسم کا قانون چاہیں بنا لیں لیکن

دینی مملکت کا اصولی تصور

قرآنی مملکت میں اکیاون تو ایک طرف، اگر سو کے سو ارکان بھی چاہیں تو ان غیر متبدل اصولوں میں جن کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے کسی قسم کا رد و بدل نہیں کر سکتے۔ اس مملکت کا مقصود و منتہیٰ ان غیر متبدل اصولوں کا تحفظ اور ان کی عملی تنفیذ ہے۔ یہی اس مملکت کے وجود (Existence) کی وجہ جواز (Justification) ہے۔ ان اصولوں کو مستقل اقدار (Permanent Values) کہتے ہیں۔ یہ اصول (اقدار) قرآن کریم میں واضح، بیّن، مکمل اور محفوظ شکل میں دے دیئے گئے ہیں۔ اسلامی مملکت وہ ہے جو ان مستقل اقدار کو اپنا نصب العین قرار دے۔ جو آئین ان اقدا

کے تحفظ کی ضمانت دے گا سے اسلامی آئین کہا جائے گا۔ یہ اصول یا اقدار وہ حدود (Boundary Lines) ہیں جن کے اندر رہتے ہوئے اسلامی مملکت اپنے زمانہ کے تقاضوں کے مطابق قوانین وضع کر سکتی ہے۔ یہ اصول ہمیشہ غیر متبدل رہیں گے۔ لیکن ان کی چاردیواری کے اندر جو قوانین مرتب ہوں گے وہ زمانہ کے تقاضوں کے ساتھ بدلتے رہیں گے۔ اسلامی معاشرہ اسی ثبات و تغیر (Permenence And Change) کے حسین امتزاج کا مظہر ہوتا ہے کَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ (۱۴/۲۴) اس خوشگوار اور شاداب درخت کی طرح جس کی جڑیں پاتال میں اپنی جگہ پر ثبت ہوں اور شاخیں فضا کی پہنائیوں میں جدھر مناسب سمجھیں پھیل جائیں۔ یا اُس پرندے کی طرح جس کی کیفیت یہ ہو کہ

پرد در وسعتِ گردوں یگانہ
نگاہِ او بسوئے آشیانہ

دینی مملکت کے اس بنیادی اصول کی حیثیت اس مرکزی نقطہ (Centre) کی سی ہے کہ اگر پرکار کا پاؤں اس پر جا رہے تو زندگی کا دائرہ ٹھیک کھنچتا چلا جائے لیکن اگر اس کا پاؤں اس نقطہ سے ذرا بھی اِدھر اُدھر ہٹ جائے تو سارا دائرہ بگڑ جائے۔

اس مقام پر آپ کے دل میں لازماً یہ سوال پیدا ہوگا کہ وہ غیر متبدل اصول یا اقدار کیا ہیں جو اسلامی

غیر متبدل اصول

مملکت اور اس کے آئین کی بنیاد بنتے ہیں۔ ان اقدار کے تفصیلی بیان کے لئے کافی وقت چاہئیے۔ اس وقت میں (مثال کے طور پر) صرف چند اقدار کا مختصر سا تعارف کرانے کی کوشش کروں گا جس سے آپ اندازہ کر سکیں گے کہ ان اصول و اقدار کی نوعیت کیا ہے۔

انسانی زندگی کا ایک تصور تو یہ ہے کہ انسان عبارت ہے اس کے طبعی جسم (Physical Body) سے جو مادی قوانین کے مطابق وجود میں آتا ہے۔ انہی قوانین کے مطابق جسم کی مشینری چلتی رہتی ہے اور جب یہ مشینری بند ہو جاتی ہے تو اس کے جسم کے ذرات منتشر ہو جاتے ہیں۔ اسی کا نام موت ہے۔ جس سے اس فرد کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ انسانی زندگی کے متعلق اس تصور کو مادی یا میکانکی تصور (Materialistic Concept of Life) کہا جاتا ہے۔

انسانی ذات

زندگی کا دوسرا تصور یہ ہے کہ انسان صرف اس کے جسم سے عبارت نہیں۔ جسم کے علاوہ ایک اور شے بھی ہے جسے انسانی ذات Personality یا خودی (Self) کہا جاتا ہے۔ انسانی ذات نہ مادی ارتقاء کی پیداوار ہے نہ طبیعیاتی قوانین کے تابع۔ یہ ہر فرد کو خدا کی طرف سے ملتی ہے۔ لیکن غیر نشوونما یافتہ (Undeveloped) مضمر (Potent) یا امکانی (Realisable Possibility)

کی شکل میں زندگی کا مقصود انسانی ذات کی نشوونما ہے۔ اگر اس کی مناسب نشوونما ہو جائے تو یہ جسم کی موت کے ساتھ فنا نہیں ہو جاتی بلکہ بدستور زندہ رہتی اور مزید ارتقائی منازل طے کرنے کے لئے آگے بڑھتی ہے۔

جس طرح جسم کی پرورش کے لئے طبیعاتی قوانین ہیں، اسی طرح انسانی ذات کی نشوونما کے لئے بھی قوانین مقرر ہیں۔ یہ وہی قوانین ہیں جنہیں قرآن کے غیر متبدل اصول یا مستقل اقدار کہا جاتا ہے اگر انسان ان اصولوں کے مطابق زندگی بسر کرے تو اس کی ذات کی نشوونما ہوتی چلی جاتی ہے۔ اگر وہ ان سے انحراف برتے تو اس کی ذات میں ضعف و انتشار پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن انسان ان اصولوں کے مطابق انفرادی طور پر زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ یہ صرف معاشرہ کے اندر رہتے ہوئے اجتماعی طور پر ممکن ہے مملکت اسی اجتماعی زندگی کی تعبیر ہوتی ہے۔ لہذا اسلامی مملکت اس لئے وجود میں آتی ہے کہ افراد کے جسم اور ان کی ذات کے نشوونما کا ذریعہ بنے۔ مملکت مقصود بالذات نہیں۔ اس مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے۔

لہذا سب سے پہلی مستقل قدر خود انسانی ذات ہے۔ اس قدر کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ باقی اقدار اس کے گرد گردش کرتی ہیں۔ یہی وہ بنیاد ہے جس پر دین کی عمارت استوار ہوتی ہے، اگر کوئی شخص اس خدا کو مانتا ہے جس نے کارگہ کائنات کو پیدا کیا اور جس کے قوانین کے مطابق یہ عظیم الشان سلسلہ اس حسن و خوبی سے چل رہا ہے لیکن وہ انسانی ذات پر یقین نہیں رکھتا تو قرآن کی رو سے اس کا خدا کو ماننا کچھ معنی نہیں رکھتا۔ انسان کا اپنی ذات پر ایمان، خدا پر ایمان کی بنیادی شرط (Pre-requisite Condition) ہے۔

انسانی ذات اپنی انفرادیت (Individuality) رکھتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر فرد اپنے اعمال کا آپ ذمہ دار ہوتا ہے اور ان اعمال کا خوشگوار یا ناخوشگوار نتیجہ خود بھگتتا ہے۔ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (۱۶۴/۶) اس کا بنیادی اصول ہے۔ یعنی کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ انسان کو اس کے اعمال کے نتیجے سے نہ کسی کی سفارش بچا سکتی ہے۔ نہ وہ کسی قسم کا فدیہ دے کر اپنی جان بچا سکتا ہے۔ لَا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا یُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ (۴۸/۲) اسلامی مملکت میں معاوضہ یا مواخذہ کا تعین اسی غیر متبدل اصول کے مطابق ہوتا ہے۔

احترام آدمیت

چونکہ انسانی ذات ہر فرد کو خدا کی طرف سے یکساں طور پر عطا ہوتی ہے اس لئے ہر انسانی بچہ محض انسانی بچہ ہونے کی جہت سے واجب التکریم ہے۔ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ (۷۰/۱۷) قرآن کا وہ غیر متبدل اصول ہے جسے ساری دنیا مل کر بھی بدل نہیں سکتی۔ ایک بچہ شہنشاہ کے محل میں پیدا ہو یا چمار کی جھونپڑی میں۔ اس مستقل قدر کی رو سے دونوں یکساں طور پر واجب التکریم ہیں۔ اس میں امیر و غریب کے علاوہ، نہ کالے اور گورے کی تمیز ہے نہ حاکم و محکوم کی تفریق، نہ وطن اور نسل کا کوئی

امتیاز ہے، نہ زبان اور بود و ماند کی کوئی خصوصیت۔

آدمیت احترامِ آدمی است

قرآن کا بنیادی اصول ہے۔ جو آئین یا قانون اس بنیادی قدر کی حفاظت کرے گا وہ اسلامی کہلائے گا، جو اس سے متصادم ہوگا وہ غیر اسلامی قرار پا جائے گا۔

تعینِ مراتب پیدائش کی رو سے بنیادی تکریم کے بعد قرآن کا فیصلہ یہ ہے کہ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا (۴۶/۱۹) ہر شخص کے مدارج و مراتب اس کے ذاتی جوہر اور کام کے لحاظ سے متعین ہوں گے۔ اس میں حسب و نسب، دولت، تعلقات یا اضافی اثرات کا کوئی لحاظ نہیں ہوگا۔ اسی اصول کو جب آگے بڑھاتے جائیں گے تو اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ (۴۹/۱۳) کی منزل سامنے آ جائے گی۔ یعنی سب سے زیادہ واجب التکریم وہ ہوگا جو قوانینِ خداوندی کا سب سے زیادہ پابند ہوگا۔ یعنی جس کی زندگی ان مستقل اقدار پر سب سے زیادہ پوری اترے گی۔

غلامی تکریمِ آدمیت کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ کوئی انسان کسی کا غلام نہ ہو۔ لہٰذا غلامی (Slavery) قرآن کی رو سے انسانیت کا بدترین جرم ہے۔ غلامی تو ایک طرف رہی۔ قرآن کا ارشاد یہ ہے کہ کسی انسان کو اس کا حق حاصل نہیں کہ وہ دوسرے انسان سے اپنا ذاتی حکم منوائے۔ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (۳/۷۸) کسی انسان کو اس کا حق نہیں پہنچتا کہ خدا اسے ضابطۂ قوانین، حکومت اور نبوت عطا کرے اور وہ دوسرے لوگوں سے یہ کہے کہ تم خدا کے قوانین کی نہیں بلکہ میری محکومیت اختیار کرو۔ لہٰذا

قانون کی اطاعت اسلامی مملکت میں اطاعت صرف قانون کی ہوگی۔ اس قانون کی جس کی عمارت قرآن کے غیر متبدل اصولوں پر استوار ہوگی۔ ان قوانین کا اطلاق ہر فرد پر یکساں طور پر ہوگا اور اس میں کسی بڑی سے بڑی شخصیت کی بھی استثنا نہیں ہوگی۔ قرآن نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے یہ اعلان کرایا ہے کہ " اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ " میں سب سے پہلے قانونِ خداوندی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتا ہوں۔

عدل قانون کے یکساں طور پر اطلاق کا نام عدل ہے، عدل کے متعلق قرآن جس شدت سے تلقین کرتا ہے اس کا اندازہ اس سے لگایئے کہ اس کا حکم ہے کہ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (۵/۸) کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس پر آمادہ نہ کر دے کہ تم ان سے عدل نہ کرو۔ ہمیشہ عدل کرو کہ یہی چیز تقویٰ کا تقاضا ہے۔

عدل کے یہ معنی ہیں کہ جو کچھ کسی کا واجب (Due) ہو اسے دیا جائے۔ لیکن قرآن نے عدل کے ساتھ احسان کا بھی ذکر کیا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (۱۶/۹۰)۔

احسان

احسان کے معنی ہیں حسن پیدا کرنا اور حسن نام ہے صحیح توازن و تناسب (Proportion) کا۔ جس کا توازن بگڑ جائے اس میں حسن باقی نہیں رہتا۔ قرآن کا حکم یہ ہے کہ جس شخص کی زندگی کا کسی شے کی کمی کی وجہ سے توازن بگڑ گیا ہو اس کی اس کمی کو پورا کر دو تاکہ اس فرد کا اور اس طرح افراد کے مجموعہ یعنی پورے معاشرہ کا حسن قائم رہے۔ یہی قرآن کا غیر متبدل اصول ہے جس پر اس کے نظامِ ربوبیت کی اساسی عمارت استوار ہے۔ اسلامی مملکت کا فریضہ یہ ہے کہ وہ تمام افرادِ معاشرہ کی بنیادی ضروریاتِ زندگی بہم پہنچائے اور ان کی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما کا ایسا انتظام کرے جس سے ہر فرد یکساں طور پر متمتع ہو سکے۔ بالفاظِ دیگر مملکت میں رہنے والے بچوں کی جسمانی، ذہنی اور قلبی نشوونما ان کے والدین کی ذمہ داری نہیں ہوگی بلکہ خود مملکت کی ذمہ داری ہوگی اور اس میں کسی قسم کا امتیازی سلوک (Discrimination) روا نہیں رکھا جائے گا۔

اس سے ظاہر ہے کہ اگر کسی مملکت میں ایک فرد بھی رات کو بھوکا سو جائے در انحالیکہ باقیوں کا پیٹ بھرا ہوا ہو۔ یا کوئی بچہ ایسا رہ جائے جسے اس کی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما کے لئے ضروری وسائل میسر نہ آسکیں تو وہ مملکت اسلامی نہیں کہلا سکتی۔

نظامِ ربوبیت

حضرت عمرؓ نے تو اس باب میں یہاں تک کہہ دیا تھا کہ اگر دجلہ کے کنارے ایک کتا بھی بھوک سے مر گیا تو خدا کی قسم عمرؓ سے اس کی بھی باز پرس ہوگی۔ اسلامی مملکت، اس نظامِ ربوبیت کا تجربہ پہلے اپنی حدود کے اندر کرے گی اور اس کے بعد اس کا سلسلہ وسیع سے وسیع تر کرتی چلی جائے گی حتیٰ کہ "وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا" یہ پوری زمین اپنے نشوونما دینے والے کے نور سے جگمگا اٹھے۔ یہ مملکت جن افراد کی پرورش کا ذمہ لے گی ان سے کہہ دیگی کہ "لَا نُرِیْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا" (۷۶/۹) ہم تم سے نہ کسی معاوضہ کے خواہاں ہیں نہ شکریہ کے متمنی۔ یہ ہمارا فریضۂ حیات ہے جسے ہم نے ادا کر دیا۔ اس میں صلہ اور معاوضہ کا کیا سوال؟

ہمارے درد و الم، درد و ستم کی لذت ہے
وہ ننگِ عشق ہے جو آہ جو اثر کے لئے

اپنی مملکت سے باہر کے افراد کی پرورش کا جذبہ یہ غرض، نہ سیاسی استبداد ہوگا نہ اپنی سلطنت کے استحکام کے لئے زیادہ سے زیادہ حلیف پیدا کرنے کی مقدس آرزو۔ یہ سب کچھ اس ایمان کی رُو سے ہوگا کہ تمام نوعِ انسان

عالمگیر انسانیت

ایک عالمگیر برادری کے افراد اور ایک خاندان کے ممبر ہیں۔ کَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً (۲/۲۱۳) قرآن کا غیر متبدل اصول ہے۔ یہ

انسان کی تنگ نگہی اور ہوس پرستی ہے جس سے اس نے اس عالمگیر برادری کو قوموں اور وطنوں کی چار دیواری میں تقسیم کر کے وحدتِ انسانیہ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے ہیں۔ قرآن کی رُو سے انسانوں کی تقسیم کا ایک ہی معیار ہے۔

معیارِ قومیت

جو لوگ قرآن کی متعین کردہ مستقل اقدار کو زندگی کا نصب العین بنانے کا اقرار کر لیں وہ ایک ملت کے افراد ہیں، عام اس سے کہ وہ کس نسل سے متعلق ہیں اور دُنیا کے کس حصہ میں رہتے ہیں۔ اور جو ان اقدار سے انکار کریں وہ دوسری پارٹی کے افراد ہیں خواہ وہ اپنی مملکت کے اندر ہی کیوں نہ رہتے ہوں۔ بالفاظِ دیگر، قرآن کی رُو سے قوم کی تشکیل آئیڈیالوجی کے اشتراک کی بنا پر ہوتی ہے نہ کہ اشتراکِ وطن اور نسل کی بنیاد پر۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ جو شخص اس معیار کے مطابق ملتِ اسلامیہ کا فرد نہیں بنتا وہ اسلامی مملکت کی ربوبیتِ عامہ سے محروم رہ جاتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ قرآن نے جو حقوق و مراعات محض انسان ہونے کی جہت سے دی ہیں وہ تمام انسانوں کے لئے عام ہیں اور انہیں ہر فردِ انسانی حق کے طور پر (As Of Right) طلب کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے کہا ہے وَفِيٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (۷۰/۲۴) ان کے مالوں میں ہر محتاج و محروم کا حق ہے جسے ان میں سے ہر ایک اچھی طرح جانتا ہے۔ اقوام و اوطان کی حدود سے بلند ہو کر، عالمگیر انسانیت کو پیشِ نظر رکھنے کا یہ وہ غیر متبدل اصول ہے جس کی رُو سے قرآن نے کھلے کھلے الفاظ میں کہہ دیا کہ یاد رکھو۔ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ (۱۳/۱۷) دنیا میں دوام اور بقا صرف اس کام کے لئے ہے جو تمام نوعِ انسانی کی منفعت کے لئے ہے۔ یہ بھی قرآن کا غیر متبدل اصول ہے۔ اقبال کے الفاظ میں:-

عقل خود بیں غافل از بہبودِ غیر ۔۔۔ سود خود بیند نہ بیند سودِ غیر
وحیِ حق بینندۂ سودِ ہمہ ۔۔۔ در نگاہش سود و بہبودِ ہمہ

اس مقام پر عزیزانِ من! قرآنی حکمت کا ایک ایسا عظیم نکتہ سامنے آتا ہے جسے بیان کئے بغیر آگے بڑھنے کو جی نہیں چاہتا۔

وحدتِ انسانیت کا فلسفہ

قرآن کریم کی تعلیم کا نقطۂ ماسکہ وحدتِ خالق اور وحدتِ مخلوق ہے۔ وہ جس معاشرہ کی تشکیل چاہتا ہے اس کی بنیاد وحدتِ انسانیت کے اصول پر ہے۔ اس مقصد کے لئے وہ فرد کو تاکید کرتا ہے کہ وہ انفرادی زندگی بسر کرنے کی بجائے معاشرہ کا جزبن کر رہے۔ معاشرہ میں وہ طبقاتی تقسیم پیدا ہونے نہیں دیتا۔ وہ پوری کی پوری اُمت کو ایک وحدت قرار دیتا ہے۔ پھر اس اُمت کو تاکید کرتا ہے کہ وہ باقی اقوامِ عالم سے الگ تھلگ نہ رہے بلکہ اپنی تہذیب و تمدن کے معاملات میں انہیں بھی شریک کرے۔ اس میں شبہ نہیں کہ وحدتِ انسانیت کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اقوامِ عالم کا

باہمی سیاسی تصادم اور معاشی کشاکش ختم ہو جائے، لیکن اس سے بلند تر مقصد اور بھی ہے۔ انسانی ارتقاء کا یہ ایک عجیب اصول ہے کہ اگر ایک قوم تہذیب و تمدن میں آگے بڑھ گئی ہے لیکن وہ اپنے تہذیبی اور ثقافتی حاصلات کو اپنے آپ تک محدود رکھتی ہے، تو اس کی ترقی ایک خاص حد پر جا کر رُک جائے گی، اور اس سے آگے بڑھ نہیں سکے گی۔ لیکن اگر وہ قوم اپنے علمی اور تہذیبی ماحصل کو دوسری قوموں تک بھی پھیلا دیتی ہے تو اس کا ارتقاء حدود فراموش ہو جاتا ہے۔ بالفاظِ دیگر، بہ رعایت کے استعارہ کے مطابق، اگر تہذیبی ترقی غیر مہذب سمندر میں ایک جزیرہ کی طرح محدود و مقید رہتی ہے تو وہ ایک حد تک جا کر جامد اور متصلب (Stagnated) ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر ایک قوم کی معاشی حالت یہ ہے کہ اس میں تہذیب و تمدن کا حامل ایک خاص گروہ ہے اور باقی افرادِ قوم کی ارتقائی سطح پست ہے تو اس گروہ کا ارتقاء بھی ایک حد تک پہنچ کر جامد ہو جائے گا۔ یہ ارتقاء کی صورت میں آگے بڑھے گا جب اس میں پوری کی پوری قوم برابر کی شریک ہو۔ اسی اصول کے مطابق اگر کسی گروہ میں ایک فرد بلند ثقافتی اصول کا حامل ہے، تو اگر وہ اپنے ذہنی اور تشکیلی جوہروں کو اپنی ذات تک محدود رکھے گا تو اس کا ارتقاء ایک حد تک پہنچ کر رک جائے گا۔ یہ وجہ ہے کہ قرآن فرد کو جماعت کا جزو، اور جماعت کو پوری انسانیت کا جزو بناتا ہے۔ انھیں الگ الگ نہیں رہنے دیتا۔ اُس کی رُو سے متشکل شدہ جنت میں فرد انفرادی زندگی بسر کرنے سے داخل نہیں ہوتا۔ اسے حکم دیا جاتا ہے۔ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ (۸۹/۲۹)، تو میرے

اجتماعی جنت

بندوں میں شامل ہو جا اور اس طرح جنت میں داخل ہو جا۔ اُس جنت میں بھی یہ کیفیت نہیں ہوتی کہ اُس کا کچھ حصہ جنت ہو اور باقی حصہ جہنم۔ قرآن دنیا میں اسی قسم کی جنت متشکل کرنا چاہتا ہے۔ اس کی رُو سے رہبانیت (یعنی تصوّف کے خلوت کدوں) کی زندگی اسی لئے غیر قرآنی ہے کہ اس میں ہر فرد اپنی روحانی ترقی کی فکر میں مگن رہتا ہے اور پورے معاشرے کو اس میں شامل نہیں کرتا۔ اسی طرح قرآن دنیائے سیاست میں اُس نہج کو ارتقائے انسانیت کے منافی قرار دیتا ہے جس میں اقتدار و اختیار کسی ایک طبقہ کی اجارہ داری بن کر رہ جائے اور باقی افرادِ قوم کی سطح اُس طبقہ سے نیچی ہو۔ اس سے آگے بڑھ کر وہ بین الاقوامی بساط پر اس روش کو خلافِ انسانیت قرار دیتا ہے جس میں ایک قوم عروج و ارتقاء کی بلند ترین فضاؤں میں پرواز کر رہی ہو اور باقی اقوامِ عالم بال و پر بریدہ پرندوں کی طرح خاک نشین ہو کر رہ جائیں۔ وہ اسی ارتقاء کو وجہِ شرف قرار دیتا ہے جس میں تمام افرادِ انسانیت برابر کے شریک ہوں۔ اگر ایسا نہ ہو گا تو تھوڑی دور چل کر اس آگے بڑھنے والی قوم کی ترقی بھی رُک جائے گی اور وہ بھی دیگر اقوام کی طرح جہنم میں پہنچ جائے گی۔ قرآن نے جہنم کے لئے عربی زبان کا لفظ جحیم استعمال کیا ہے جس کے معنی رُک جانے (Stagnation) کے ہیں۔

جحیم سے مراد

جہاں کسی قوم کی ترقی رُک جاتی ہے وہی اُس کا جحیم ہے۔

مگر کوتاہیِ ذوقِ عمل ہے خود گرفتاری
جہاں بازو سمٹتے ہیں وہیں صیاد ہوتا ہے

ارتقائے انسانیت کا یہ وہ راز ہے جس کی پردہ کشائی عصر حاضر کے مؤرخینِ تہذیب و تمدن کی تحقیقات کئے جا رہی ہیں۔ لیکن ہمیں اس کے لئے کہیں باہر جانے کی ضرورت نہیں ہمارے لئے تو (شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا) خود اپنے گھر کی شہادت کافی ہے۔ یعنی خود مسلمانوں کے عروج و زوال کی تاریخ اسی حقیقت کی مظہر ہے۔ جب سرزمینِ حجاز کے

ہمارے عروج و زوال کے اسباب

صحرا نشینوں نے قرآن کی اس حکمتِ بالغہ کو سمجھ لیا تو انھوں نے پہلے ایک ایسی جماعت تیار کی جس میں حاکم و محکوم، بلند اور پست، امیر اور غریب، عربی اور عجمی کے تمام امتیازات مٹا کر انھیں اُمتِ واحدہ بنا دیا۔ جس کا بنیادی اصول یہ تھا کہ ایک فرد کی صلاحیتوں کے ماحصل اور محنت کی کمائی میں تمام افراد برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ قرآن نے فَاتِحَةُ الْكِتَابِ کے بعد پہلی سورت کی ابتدا میں ان افراد کی جو خصوصیات بتائی ہیں ان میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ انھیں جو کچھ ہماری طرف سے ملتا ہے وہ اسے دوسروں کی بہبودی کے لئے کھلا رکھتے ہیں۔ اس کھلا رکھنے کی حد کیا ہے۔ اس کے متعلق آگے چل کر بتایا۔ يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ۔ یہ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ ہم اپنی کمائی میں سے کس قدر حصہ دوسروں کے لئے کھلا رکھیں؟ قُلِ الْعَفْوَ (۲/۲۱۹) ان سے کہدو کہ جس قدر تمہاری ضروریات سے زائد ہے سب کا سب۔ اس کا تو انھیں حکم دیا گیا تھا لیکن وہ عند الضرورت اس سے بھی آگے بڑھ جاتے تھے۔ وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (۵۹/۹) وہ خود تنگی میں گزارہ کر لیا کرتے تھے لیکن دوسروں کی ضروریات کو اپنے آپ پر ترجیح دیتے تھے۔ آج ہمارے لئے یہ سوال بھی معمہ بن گیا ہے کہ اسلام کا معاشی نظام کیا ہے۔ اور اگر کسی سے کہہ دیا جائے کہ اس نظام میں فاضلہ دولت کسی کے پاس نہیں رہتی تو اُسے اس میں کمیونزم کے

قرآن کا معاشی نظام

جراثیم دکھائی دیتے ہیں، حالانکہ اگر قرآن کے اس فلسفہ کو سمجھ لیا جائے جو اس نے ارتقائے انسانیت کے معاملہ میں بیان کیا ہے تو اس کے معاشی نظام کے سمجھنے میں کوئی دقت باقی نہیں رہتی۔ جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے، اس کا فلسفہ یہ ہے کہ اگر کوئی فرد، گروہ یا قوم اپنی استعداد کے ماحصل کو اپنے آپ تک محدود رکھتی ہے تو ایک حد تک پہنچنے کے بعد وہ فرد، گروہ یا قوم آگے بڑھنے کے قابل نہیں رہتی۔ اسے وہ بخل کی اصطلاح سے تعبیر کرتا ہے اور کہتا ہے " وَمَن يَبْخَلْ فَإِنَّمَا يَبْخَلُ عَن نَّفْسِهِ (۴۷/۳۸) جو روک کر رکھتا ہے وہ خود اپنی ذات کی ترقی کو روک دیتا ہے۔ اس کے برعکس جو فرد، گروہ یا قوم دوسروں کی نشوونما کی فکر کرتی ہے اس کی اپنی نشوونما ہوتی چلی جاتی ہے وَمَن تَزَكَّىٰ فَإِنَّمَا

يَتَنَ كَّىٰ لِنَفْسِهٖ (۳۵/۱۸)۔ یہ تھا قرآنی تعلیم کا وہ اصل الاصول جسے سرزمین حجاز کی اس مختصر سی جماعت نے سمجھا تھا جس کا فطری نتیجہ تھا کہ ان کی ترقی حدود فراموش اور قیود ناآشنا ہوگئی۔ اس میں نہ کوئی راز تھا نہ معمہ، نہ کوئی ناقابلِ فہم نظریہ تھا۔ نہ ماورائے عقل فارمولا۔ بعد کے آنے والوں نے اس قانون کو نظر انداز کردیا۔ انفرادی طور پر ہر شخص نے مال و دولت کو اپنی اور اپنے خاندان کی حدود کے اندر مقید کردیا۔ قوم میں ایک طبقہ حکمرانوں کا بن بیٹھا اور اس طرح اقتدار و اختیار ایک خاص گروہ کے اندر محدود ہوکر رہ گیا۔ اور آگے بڑھے تو پوری قوم نے اپنے آپ کو سلطنت کی چار دیواری میں مقید کرکے عالمگیر انسانیت کے تصور کو نظر انداز کردیا۔ یہ دنیا داروں کی حالت تھی۔ "اللہ والوں" نے روحانی ترقی کے لئے اپنے آپ کو خانقاہوں کی چار دیواری میں محبوس کرکے باقی انسانیت سے اپنا رشتہ منقطع کرلیا۔ اربابِ شریعت نے یہ کہنا شروع کردیا کہ اگر ہر فرد اپنی اپنی جگہ نیک بن جائے تو اسلام کا مقصد پورا ہوجاتا ہے۔ نتیجہ یہ کہ قوم جس مقام پر تھی وہیں متحجر (Fossilised) ہوکر رہ گئی۔ یہ وہ جمود (رُک جانے کا مقام) ہے جس میں قوم اب تک مبتلا چلی آرہی ہے۔ کسی قوم کے ایک مقام پر رک جانے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس قوم کی عقل و فکر کی صلاحیتیں نشو ونما پانے سے رک گئی ہیں۔ یعنی وہ قوم سمجھ سوچ سے کام لینے کے قابل نہیں رہی یہی وجہ ہے کہ قرآن نے اہلِ جہنم کی زبان سے یہ کہلوایا ہے۔ لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ (۶۷/۱۰) اگر ہم اپنی عقل و فکر سے کام لیتے رہتے تو اہلِ جہنم میں سے نہ ہوتے۔

بعد میں کیا ہوا

تقلید

عقل و فکر سے کام نہ لینے کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ قوم اس حد کو جس تک پہنچ کر ان کی ترقی رُک گئی تھی ارتقائے انسانیت کی آخری حد سمجھ لیتی ہے، اور یہ کہہ کر اپنے آپ کو فریب دے لیتی ہے کہ دنیا خواہ کتنی ترقی کیوں نہ کرجائے وہ ہماری حد تک کبھی نہیں پہنچ سکتی۔ اس طرح وہ اپنے جہنم کو جنت سمجھ لیتی ہے اور اس سے کبھی نکلنا نہیں چاہتی۔ یا یوں کہیے کہ اسے اپنا جہنم نظر ہی نہیں آتا، اس لئے کہ جہنم تو اس کے سامنے اُبھر کر آتا ہے جو دیکھنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ وَ بُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى (۷۹/۳۶)

نظرِ بازگشت

یہ تھا، برادرانِ عزیز! وہ ضمنی نکتہ جو اس سوال کے سلسلہ میں سامنے آگیا تھا کہ قرآنِ کریم عالمگیر انسانیت پر اس قدر زور کیوں دیتا ہے۔ چونکہ ہم اس ضمنی نکتہ کے سلسلہ میں اپنے موضوع سے بہت دور نکل گئے ہیں اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ اس داستان کا تسلسل قائم رکھنے کے لئے مناسب ہوگا کہ مختصر الفاظ میں دہرا دیا جائے کہ بات کیا ہو رہی تھی اور سلسلۂ کلام کہاں تک پہنچا تھا۔ میں کہہ یہ رہا تھا کہ

(۱) سیکولر سٹیٹ اور دینی مملکت میں فرق یہ ہے کہ سیکولر سٹیٹ کے پیشِ نظر اپنی قوم یا ملک کے مفاد کا

تحفظ ہوتا ہے اور اس کے لئے مصلحتِ وقت (Expediency) اس کا اصولِ کار۔ اس کے برعکس دینی مملکت ان غیر متبدل اصولوں یا مستقل اقدار کے تحفظ اور عملی تنفیذ کے لئے وجود کوش ہوتی ہے جن میں تمام نوعِ انسانی کی فلاح وسعادت اور نشوو ارتقا کا راز پوشیدہ ہوتا ہے۔

(۲) یہ غیر متبدل اصول نہایت واضح انداز میں قرآن کریم میں دیدیئے گئے ہیں۔ اسلامی مملکت کا آئین انہی اصولوں پر مشتمل ہوتا ہے۔

خوف و حزن

قرآن کریم نے اس مملکت کے ماحصل کو چار لفظوں میں بیان کر دیا ہے جہاں کہا ہے کہ فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (۲/۳۸) جو لوگ خدا کی راہنمائی میں چلیں گے، وہ خوف اور حزن سے محفوظ رہیں گے۔ خوف سے مامون رہنا سیاسی صیانت (Political Security) ہے اور حزن سے محفوظ رہنا معاشی آزادی (Economic Independence)۔ اس مملکت میں نہ کسی قسم کا سیاسی استبداد ہوگا اور نہ ہی معاشی احتیاج۔

کس نباشد در جہاں محتاجِ کس
نکتۂ شرعِ مبیں این است و بس

حکومت کی ہیئت

جہاں تک حکومت کی ہیئت (Form of Government) کا تعلق ہے، قرآن اس کا تعین نہیں کرتا، لیکن اس کے لئے ایک غیر متبدل اصول بیان کرتا ہے۔ یعنی وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ (۴۲/۳۸)۔ امورِ مملکت اُمّت کے باہمی مشورہ سے طے پائیں گے۔ اسلامی مملکت میں نظمِ حکومت کسی خاص فرد، گروہ، طبقہ یا خاندان کی اجارہ داری میں نہیں رہتا۔ یہ اُمّت کی امانت ہوتا ہے، جسے وہ اپنے نمائندگان کے سپرد کرتی ہے۔ (جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے) ان نمائندگان کا معیار یہ ہوتا ہے کہ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ (۴۹/۱۳) جو سب سے زیادہ قوانینِ خداوندی کا پابند ہوگا وہ سب سے زیادہ واجب التکریم ہوگا۔ اُمّت کے یہی نمائندے، قرآن کے غیر متبدل اصولوں کی چاردیواری کے اندر رہتے ہوئے اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق مملکت کے لئے جزئی قوانین وضع کریں گے۔ اس سے آپ نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ اسلامی حکومت نہ کسی خاص وضع کا نام ہے نہ کسی خاص پیکر کا عکس۔ وہ قرآن کی متعین کردہ مستقل اقدار کے حفظ و نشر کا ذریعہ اور ان کی عملی تشکیل و تنفیذ کی مشینری ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے وہ جن ذرائع کو اختیار کرے وہ اسلامی کہلائیں گے بشرطیکہ وہ ذرائع بھی قرآنی اصولوں سے نہ ٹکرائیں۔ قرآنی اقدار کو برقرار رکھتے ہوئے جو لفافہ بھی اختیار کر لیا جائے وہ اسلامی ہوگا۔

رند جو ظرف اٹھا لیں وہی ساغر بن جائے
جس جگہ بیٹھ کے پی لیں وہی میخانہ بنے

آئین سازی میں دشواریاں

ان تصریحات کی روشنی میں، رفیقانِ من! سوچئے کہ کیا اسلامی آئین کی تدوین و ترتیب میں کسی قسم کی دشواری پیش آسکتی ہے؟ اس سلسلہ میں جس قسم کی دشواریاں ہمارے سامنے آتی ہیں وہ سب ہماری اپنی پیدا کردہ ہیں۔ کچھ دانستہ۔ کچھ نادانستہ۔ اس باب میں ہماری بنیادی غلطی یہ ہے کہ ہم نے اسلام سمجھ رکھا ہے ان رسومات اور فقہی جزئیات کو جو ہمارے اُس دور کی وضع یا اختیار کردہ ہیں جب ملت کی گاڑی دین کی پٹری سے اُتر کر دوسری پٹری پر جا پڑی تھی۔ جب تک ہم اس غلط فہمی سے نہیں نکلیں گے اور مروجہ اسلام کو حقیقی اسلام سمجھتے رہیں گے، اسلامی آئین کا تصور تک بھی ہمارے سامنے نہیں آسکے گا۔ جو حضرات اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں انھیں سمجھ لینا چاہیئے کہ جس مذہب کے متعلق وہ سمجھتے ہیں کہ اگر اسے مملکت کی بنیاد قرار دے لیا تو ہم زندہ اقوام کی صف میں کھڑے ہونے کے قابل نہیں رہیں گے، وہ غیر قرآنی مذہب ہے۔ قرآن کا عطا کردہ دین اپنے متبعین کو اقوامِ عالم کی امامت (Leder Ship) کی ضمانت دیتا ہے۔

مذہب زندہ دلاں خواب پریشانے نیست
از ہمیں خاک جہانِ دگرے ساختن است

اور جب یہ حقیقت ہے کہ ہمارا مروجہ مذہب، حقیقی اسلام نہیں تو اس مذہب کے علمبرداروں کے متعلق یہ سمجھ لینا کہ وہ ہمیں اسلامی آئین مرتب کر کے دیدیں گے، کتنی بڑی خود فریبی ہے۔

خدا جانے یہ کس نے کہہ دیا ہے کم سوادوں سے
کہ جو تیشہ اٹھا لیتا ہے وہ فرہاد ہوتا ہے

اسلامی آئین کی تدوین کے لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ انسان قرآن کے غیر متبدل اصولوں کو اچھی طرح جانتے اور اپنے زمانے کے تقاضوں سے باخبر ہو۔ جہاں تک ہمارے علماء حضرات کا تعلق ہے وہ بدقسمتی سے

علماء اور آئین

ان دونوں سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ اس لئے اسلامی آئین کی تدوین کے لئے ان حضرات کی طرف رجوع کرنا بنیادی طور پر غلط ہے۔ اقبالؒ کے الفاظ میں،

قوم کیا چیز ہے۔ قوموں کی امامت کیا ہے
اس کو کیا جانیں یہ بیچارے دو رکعت کے امام

قرآن کا ارشاد ہے اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا (۴/۵۸) اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتوں کو ان کے سپرد کرو جو ان کے اہل ہوں۔ تدوینِ آئین کا مسئلہ قوم کی بہت بڑی امانت ہے۔ ایسے لوگوں کے سپرد کر دینا جن میں اس کی اہلیت و صلاحیت نہیں، امانت میں خیانت ہے۔ ہم نے نو برس تک یہ غلطی کی اور اس کا خمیازہ بھگت رہے ہیں۔ اگر اس کا پھر اعادہ کیا گیا تو اس کی سزا اس سے کہیں زیادہ سخت ہوگی۔

اس مقام پر میں اس امر کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ میں جب "ارباب مذہب" پر تنقید کرتا ہوں تو میرا روئے سخن خاص افراد کی طرف نہیں ہوتا۔ اس سے میرا مقصد مذہبی پیشوائیت (Priesthood) کا ادارہ (Institution) ہوتا ہے جس کی اسلام میں کہیں گنجائش نہیں۔ جہاں تک افراد کا تعلق ہے ان میں کئی ایسے ہیں جن کی سیرت و کردار کی بنا پر میرے دل میں ان کی بڑی عزت ہے۔

لوگ نیک بن جائیں تو مملکت اسلامی ہو جائے

اسلامی آئین کے سلسلہ میں بعض گوشوں سے یہ بھی سننے میں آنکہ ہے کہ اگر لوگ سچے مسلمان بن جائیں۔ نیک ہو جائیں۔ دیانتداری کی زندگی بسر کرنے لگ جائیں تو مملکت خود بخود اسلامی ہو جائے گی۔ یہ منطق بڑی دلچسپ ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص کسی ملک کے ارباب بست و کشاد سے کہے کہ صاحب! حکومت کی مشینری کو درست کیجئے تاکہ جرائم ختم ہو جائیں۔ قانون کا احترام پیدا ہو اور لوگ امن کی زندگی بسر کریں۔ اور اس کے جواب میں وہ یہ کہہ دیں کہ اگر لوگ قانون کا احترام کرنے لگ جائیں۔ جرائم سے باز آجائیں۔ پُرامن شہریوں کی حیثیت سے رہنے لگ جائیں تو حکومت خود بخود اچھی ہو جائے گی، قرآن اس باب میں ایک عظیم نکتہ پیش کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جہاں تک عام ضابطۂ اخلاق کا تعلق ہے، وہ ہر جگہ قریب قریب یکساں طور پر پایا جاتا ہے۔ کوئی یہ نہیں کہتا کہ جھوٹ بولو۔ چوری کرو۔ لوٹ کھسوٹ کرو۔ لوگوں پر ظلم کرو۔ بددیانت بنو۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس کے برعکس، ہر جگہ یہی کہا جاتا ہے کہ سچ بولنا۔ چوری نہ کرنا۔ کسی پر ظلم نہ کرنا۔ دیانتداری کی زندگی بسر کرنا بہت اچھا ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ واقعہ ہے کہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں اس کے مطابق زندگی بسر نہیں کرتے۔ مذہب اپنا فریضہ اتنا ہی سمجھتا ہے کہ وہ وعظ و نصیحت کے ذریعے لوگوں کو نیک بننے کی تلقین کرے۔ قرآن کہتا ہے کہ محض وعظ و نصیحت کے ذریعے لوگ نیک نہیں بن سکتے۔ اس لئے نہیں کہ لوگوں پر

انفرادی اصلاح

وعظ و نصیحت کا اثر نہیں ہوتا یا وہ نیک بننے کے آرزومند نہیں ہوتے۔ بجز چند مستثنیات جن میں سرکش طبائع دانستہ قانون شکنی کرتی ہیں، لوگ صحیح روش زندگی پر چلنے کے متمنی ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ صحیح روش پر چل نہیں سکتے۔ اس میں ان کا قصور نہیں ہوتا۔ ایک غلط معاشرہ میں صحیح روش پر چلنا ناممکن نہیں تو محال ضرور ہوتا ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص اپنے اندر چند انفرادی خوبیاں پیدا کرلے لیکن اجتماعی امور میں انفرادی اصلاح کبھی کارگر نہیں ہوتی۔ اس کے لئے ضرورت اس بات کی ہوتی ہے کہ ایک معاشرہ قائم کیا جائے جس میں لوگوں کے لئے صحیح روش کے مطابق زندگی بسر کرنا نہ صرف آسان بلکہ آسائش بخش ہو جائے۔ یعنی جس طرح غلط معاشرہ میں صحیح روش پر چلنے والے کے راستے میں قدم قدم پر مشکلات حائل ہوتی ہیں اسی طرح صحیح معاشرہ میں غلط روش اختیار کرنے والے کو دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے اور صحیح راستے پر چلنا اس طرح آسان ہو جائے جس طرح پانی کے لئے نشیب کی طرف بہنا۔

مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ قرآن اہل مذاہب سے کہتا ہے۔ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ (۲/۴۱) کہ میں نہ صرف یہ کہ ایک مکمل ضابطۂ حیات لایا ہوں بلکہ اس ضابطہ میں سے جو کچھ تمہارے پاس موجود ہے، اسے سچ کر کے دکھانے کا پروگرام بھی ساتھ لایا ہوں۔ مثلاً تم بھی یہ کہتے ہو کہ ظالم کی کھیتی پنپا نہیں کرتی۔ اور میرے ضابطۂ حیات کا بھی ایک دعوےٰ یہ ہے کہ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ (۶/۲۱) خدا ظالم کی کشتِ حیات کو کبھی سرسبز نہیں ہونے دیتا۔ تمہاری وعظ و نصیحت کے باوجود ظالموں کی کھیتیاں سرسبز ہوتی چلی جاتی ہیں۔ لیکن میں جو عملی پروگرام اپنے ساتھ لایا ہوں اس میں یہ حقیقت سچ بن کر سامنے آجاتی ہے کہ ظالم کی کھیتی پنپ نہیں سکتی۔ اس عملی پروگرام کا نام قرآنی معاشرہ یا اسلامی مملکت ہے۔ انفرادی طور پر یہ ناممکن ہوتا ہے کہ انسان دنیا کو صحیح راستے پر چلا سکے۔ شر کی قوتیں اتنی شدید ہوتی ہیں کہ انفرادی طور پر ان کا مقابلہ کیا نہیں جا سکتا۔ قرآن حقائق کا سامنا کرتا ہے۔ وہ (Facts) کو (Face) کرتا ہے۔ اس لئے وہ فرد سے ایسی باتیں کہتا ہی نہیں جن کا پورا کرنا اس کی انفرادی وسعت کے بس کی بات نہ ہو۔

رہبانیت سے مقصود رہبانیت کے متعلق قرآن کا اعلان یہ ہے کہ یہ خدا کا تجویز کردہ پروگرام نہیں۔ ذہنِ انسانی کا پیدا کردہ مسلک ہے۔ رہبانیت سے مفہوم جنگلوں میں جا کر سنیاسیوں کی زندگی بسر کرنا نہیں۔ اس کے معنی ہیں اجتماعی زندگی کے بجائے انفرادی زندگی بسر کرنا۔ ہر فرد کا اپنے اپنے طور پر نیک بننے کی کوشش کرنا۔ قرآن اسے غیر خداوندی طریقِ زندگی قرار دیکر اجتماعی زندگی کو صحیح روش بتاتا ہے۔ اسی کو اسلامی مملکت کہتے ہیں۔ اس مقام پر اتنا سمجھ لینا ضروری ہے کہ اسلامی مملکت تمام لوگوں کو ڈنڈے کے زور سے نیک نہیں بناتی۔ ڈنڈے کا استعمال تو صرف ان کے لئے ہوتا ہے جو دیدہ دانستہ قانون کے خلاف سرکشی برتنے پر اتر آئیں۔

اسلامی مملکت کیسے نیک بناتی ہے اس کے پاس لوگوں کو نیک بنانے کا پروگرام اور ہوتا ہے۔ اس میں سب سے پہلے بچوں کی تعلیم و تربیت کا صحیح نظام قائم کیا جاتا ہے۔ پھر ایسی فضا پیدا کی جاتی ہے جس میں انسان غیر شعوری طور پر قانون کا احترام کرنا سیکھے۔ پھر حالات ایسے پیدا کئے جاتے ہیں جن میں کسی کو حصولِ مقصد کے لئے ناجائز ذرائع اختیار کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ بلکہ یوں سمجھئے کہ ناجائز ذریعہ سے مقصد حاصل ہی نہ ہو سکے۔ مثال کے طور پر قرآن کا معاشی نظام لیجئے جس میں ہر فرد کی بنیادی ضروریاتِ زندگی پورا کرنے کی ذمہ داری مملکت پر ہوتی ہے، اور کسی کے پاس فاضلہ دولت جمع نہیں ہونے پاتی۔ آپ غور کیجئے کہ اس نظام میں کسی کو ناجائز ذرائع استعمال کرنے کی ضرورت کہاں پڑتی ہے یا اس کی گنجائش کہاں ہوتی ہے؟ جب رسول اللہؐ نے دینی مملکت قائم کی تھی تو وہ (معاذ اللہ) ہوسِ ملک گیری کی تسکین کا سامان نہیں تھی۔ وہ اس لئے ضروری تھی کہ اجتماعیت کے بغیر اسلامی زندگی بسر کرنا ممکن نہیں تھا۔ حتیٰ کہ السابقون الاولون کا جو گروپ، اس مملکت کے قیام کے لئے کوشاں تھا، وہ بھی انفرادی زندگی بسر نہیں کرتا تھا۔ جماعتی زندگی بسر کرتا تھا۔ لہٰذا معاشرہ کی اجتماعی زندگی

دینی نظامِ مملکت) کے بغیر لوگوں کو نیک بننے کی تلقین کرنا رہبانیت کی تعلیم ہے۔ اسلام کی نہیں۔ یاد رکھئے۔ دین، اخلاق و سیاست کے مجموعہ کا نام ہے۔ جب دین سے سیاست الگ ہو جاتی ہے تو دین، مذہب میں تبدیل ہو جاتا ہے اور سیاست چنگیزیت بن جاتی ہے۔ ہمارے قرنِ اوّل کے دینی نظام کے بعد یہی ہوا۔ اسلامی مملکت ملوکیت میں تبدیل ہو گئی اور دین کی اجتماعی زندگی کی جگہ مذہب کی انفرادی زندگی نے لے لی۔ دین نے اسلامی

تمسک بالجماعت سے مفہوم

زندگی کا دوسرا نام تمسک بالجماعت بتایا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ دینی مملکت (یعنی قرآنی نظامِ معاشرہ) کے بغیر اسلامی زندگی بسر نہیں ہو سکتی۔ مذہب نے جماعت اور اس سے تمسک کے الفاظ کو تو برقرار رکھا لیکن اس کا مفہوم رہ گیا جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا۔ اب جو شخص کہتا ہے کہ میں جماعت کے ساتھ شامل تھا تو اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ میں نے نماز باجماعت ادا کی تھی۔ حالانکہ نمازِ باجماعت خود اسلام کی اجتماعی زندگی (یعنی دینی مملکت) کی منی ہوئی شکل (Miniature Form) تھی۔

ان تصریحات سے یہ حقیقت آپ کے سامنے آ گئی ہو گی کہ یہ کہنا کہ لوگ اسلامی طریق کے مطابق زندگی بسر کرنے لگ جائیں تو مملکت خود بخود اسلامی بن جائے گی، گاڑی کو گھوڑے کے آگے رکھنے کے مرادف ہے۔ پہلے مملکت اسلامی بنتی ہے۔ اس کے بعد لوگ اسلامی زندگی بسر کرنے کے قابل ہوتے ہیں۔ یہ نہیں کہ پہلے لوگ صحیح معنوں میں مسلمان بن جاتے ہیں اور پھر مملکت خود بخود اسلامی ہو جاتی ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مملکت کا فریضہ ہے۔ اگر لوگ اپنے اپنے طور پر معروف پر کاربند ہو سکتے اور منکر سے محترز رہ سکتے تو مملکت کی ضرورت ہی کیا تھی؟ اسلام میں دین، جماعت، معاشرہ، نظام، قرآنی مملکت سب ایک ہی حقیقت کے مختلف نام ہیں۔

جوشِ شباب، نشۂ صہبا، ہجومِ شوق
تعبیر یوں بھی کرتے ہیں فصلِ بہار کو

براورانِ عزیز! اب مجھے، تدوینِ آئین کے سلسلہ میں ایک اور اہم سوال کے متعلق مختصر الفاظ میں کچھ

فرقے اور آئین سازی

عرض کرنا ہے۔ کہا یہ جاتا ہے کہ مسلمانوں میں بہتّر فرقے ہیں اور ہر ایک کی اسلام کی تعبیر الگ الگ ہے۔ ان حالات میں اسلامی آئین بنایا کس طرح جا سکتا ہے؟ اربابِ مذہب کی طرف سے اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ فرقوں کی موجودگی سے اسلام پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ دیکھئے۔ ۱۹۵۱ء میں مختلف فرقوں کے اکتیس علماء کراچی میں اکٹھے ہوئے تھے۔ اور انہوں نے متفقہ طور پر ایک آئین کا مطالبہ کیا تھا۔ اس کے مطابق ۱۹۵۶ء کا آئین مرتب بھی ہو گیا تھا جس کے اسلامی ہونے پر تمام علماء کا اتفاق تھا۔ اس بات کا، اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ فرقوں کے باوجود متفق علیہ اسلامی آئین مرتب ہو سکتا ہے۔

وہ سوال اور اس کا یہ جواب دونوں قابلِ غور ہیں۔

فرقہ بندی شرک ہے

پہلا قابلِ غور نقطہ یہ ہے کہ کیا فرقے اور اسلام یکجا جمع ہو سکتے ہیں؟ کیا ایسے معاشرہ کو اسلامی کہا جا سکتا ہے جس میں مسلمانوں کے فرقے موجود ہوں۔ قرآن کا جواب یہ ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ جس طرح شرک اور توحید ایک دوسرے کی ضد ہیں، اسی طرح فرقے اور اسلام باہمد نقیض ہیں۔ قرآن کا تمام مسلمانوں سے مطالبہ یہ ہے کہ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا (۳/۱۰۲) تم سب مل کر۔ اکٹھے ہو کر۔ اجتماعی طور پر۔ رشتۂ خداوندی کو تھامے رکھو اور فرقوں میں مت بٹ جاؤ۔ اس سے ایک آیت آگے ہے۔ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (۳/۱۰۴)۔ دیکھنا تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے خدا کی طرف سے واضح دلائل آجانے کے بعد، فرقے پیدا کر لئے اور آپس میں اختلاف کرنے لگ گئے۔ ایسا کرنے والے بہت بڑے عذاب میں ماخوذ ہو جاتے ہیں۔

(ب) سورۂ توبہ میں جہاں مسجد ضرار کی تعمیر کا ذکر آیا ہے تفریق بین المومنین کو کفر سے تعبیر کیا گیا ہے اور ایسی مسجد کو خدا اور رسول کے دشمنوں کی پناہ گاہ کہہ کر پکارا گیا ہے۔

(ج) فرقہ بندی کو کفر ہی نہیں، بلکہ بالفاظِ صریح شرک قرار دیا گیا ہے۔ سورۂ روم میں ہے۔ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا۔ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ (۳۰/۳۲) مسلمانو! دیکھنا تم کہیں مشرک نہ بن جانا۔ یعنی ان لوگوں میں سے نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے دین میں فرقے پیدا کر لئے اور خود بھی ایک گروہ بن کر بیٹھ گئے پھر ہر فرقہ یہ سمجھنے لگ گیا کہ میں حق پر ہوں اور باقی سب باطل پر ہیں اور اس فریبِ نفس میں مگن ہو کر رہ گیا۔

برادرانِ عزیز! وقت کی کمی کی وجہ سے میں قرآن کریم کی ان تمام آیات کو سامنے نہیں لا سکتا جس میں اختلاف کو خدا کا عذاب اور فرقوں کو دین کی ضد قرار دیا گیا ہے۔ آپ انہی چند آیات کو سامنے رکھئے اور پھر سوچئے کہ یہ کہنا کہ فرقوں کی موجودگی سے اسلام کا کچھ نہیں بگڑتا۔ مسلمان، فرقوں میں بٹنے کے باوجود سچے اور پکے مسلمان رہ سکتے ہیں۔ دین سے کتنی بڑی سرکشی اور خدا سے کیسی کھلی ہوئی بغاوت ہے؟ خدا کا ارشاد ہے کہ فرقہ بندی عذاب ہے۔ کفر ہے۔ شرک ہے۔ اور ان حضرات کا کہنا ہے کہ نہیں! اختلاف خدا کی رحمت ہے۔ تفرقہ عین اسلام ہے۔ فرقے توحید کی علامت ہیں۔ سوچئے کہ کیا یہ قرآن کی کھلی ہوئی تردید اور خدا کے خلاف اعلانِ جنگ نہیں؟

اکتیس علماء کا مطالبہ

ان حضرات کا کہنا ہے کہ ۱۹۵۱ء میں مختلف فرقوں کے اکتیس علماء اکٹھے ہوئے تھے اور انہوں نے ایک متفق علیہ آئین کا مطالبہ کیا تھا۔ آپ کو معلوم ہے کہ

وہ مطالبہ کیا تھا؟ یہ تھا کہ

(۱) مسلمانوں کے مختلف فرقوں کو آئینی طور پر تسلیم کر لیا جائے۔ اور

(ب) شخصی معاملات (Personal Laws) میں، ہر فرقے کو، کتاب و سنت کی جداگانہ تعبیر کی آزادی دی جائے۔

شخصی قانون

شق دوم کے متعلق میں صرف اتنا پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا کتاب یا سنت سے کوئی ثبوت بھی اس امر کا پیش کیا جا سکتا ہے کہ اسلام میں شخصی معاملات اور غیر شخصی معاملات میں کسی قسم کی تمیز و تفریق ہو سکتی ہے۔ یہ ثنویت (Dualism) یکسر غیر اسلامی اور دورِ ملوکیت کی ایجاد ہے جسے یہ حضرات اسلامی آئین کا جزو قرار دے رہے ہیں۔

شق دوم کے متعلق اس مختصر سے اشارے کے بعد شق اول (یعنی فرقہ بندی) کی طرف آئیے۔ ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ قرآن کی رُو سے فرقوں کا وجود کفر و شرک ہے۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن، فرقوں کے مٹانے کا طریق کیا بتاتا ہے؟

یہ حقیقت بادنیٰ تعمق سمجھ میں آجائے گی کہ اس وقت ہماری حالت بعینہٖ وہی ہے جو نزولِ قرآن کے وقت اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) کی تھی۔ ان کے انبیاء نے انھیں ایک اُمّت بنایا تھا لیکن انھوں نے باہمی ضد اور سرکشی

قرآن اختلاف مٹانے کیلئے آیا تھا

سے فرقے پیدا کر لئے (۲/۲۱۳)۔ ان کے اختلافات مٹانے کے لئے قرآن نازل ہوا۔ چنانچہ سورۂ نحل میں ہے۔ وَمَا اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتَابَ اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَهُمُ الَّذِی اخْتَلَفُوْا فِیْهِ ...... (۱۶/۶۴) اے رسول! ہم نے تیری طرف اس کتاب کو اس لئے نازل کیا ہے کہ تو ان باتوں کو ابھار کر سامنے لے آئے جن میں یہ ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہیں۔ اور خود مسلمانوں سے کہہ دیا کہ وَ مَا اخْتَلَفْتُمْ فِیْهِ مِنْ شَیْءٍ فَحُکْمُهٗ اِلَی اللّٰهِ (۴۲/۱۰) جس بات میں تمھیں اختلاف ہو اس کا فیصلہ اللہ (یعنی اس کی کتاب) سے کرا لیا کرو۔ اس سے ظاہر ہے کہ نزولِ قرآن کا ایک بنیادی مقصد یہ تھا کہ وہ تمام دینی معاملات میں اختلافات مٹانے کا معیار بنے اور مسلمانوں کو اُمّتِ واحدہ بنا دے۔

اس مقام پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کے ہر فرقے کا دعویٰ یہ ہے کہ اُس کا مسلک قرآن کے مطابق

قرآن میں اختلاف نہیں

ہے۔ جب صورت حالات یہ ہو تو پھر قرآن سے اختلافات کس طرح مٹائے جا سکتے ہیں؟ یہ سوال اہم ہے۔ لیکن قرآن اس کا بھی جواب دیتا ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ قرآن کا دعویٰ ہے کہ لَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا

كَثِيْرًا (۴/۸۲) اگر قرآن خدا کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت سے اختلافات پائے جاتے یعنی قرآن کے منجانب اللہ ہونے کی (ایک) دلیل یہ ہے کہ اس میں کوئی اختلافی بات نہیں۔ لہٰذا یہ ناممکن ہے کہ قرآن (بیک وقت) دو فرقوں کے متضاد مسالک کی بھی تائید کرے۔ اگر کوئی شخص ایسا سمجھتا ہے کہ قرآن بہتر فرقوں میں سے ہر ایک کے مسلک کی تائید کرتا ہے) تو وہ قرآن کے منجانب اللہ ہونے سے انکار کرتا ہے۔

لیکن وہ سوال ابھی اپنی جگہ پر باقی ہے کہ قرآن اس کا عملی طریق کیا بتاتا ہے کہ اُمت میں اختلافات پیدا ہی نہ ہوں اور اگر (بدقسمتی سے) اختلاف پیدا ہو جائے تو اسے مٹایا کس طرح جائے؟ اس عملی حل کی تفاصیل قرآن کے مختلف مقامات میں برگ لالہ و گل کی طرح بکھری پڑی ہیں لیکن اس نے ان تفاصیل کو سورۂ آل عمران کی ایک آیت میں اس حسن و خوبی سے سمو دیا ہے کہ جوں جوں نگہ بصیرت اس پر غور کرتی ہے، روح وجد میں آ جاتی ہے۔ ہم اوپر دیکھ چکے ہیں کہ قرآن کی رُو سے اختلافات اور فرقہ بندی کفر ہے۔ وہ کہتا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا إِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتَابَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ إِيْمَانِكُمْ كَافِرِيْنَ (۳/۹۹)

عملی طریق

اے مسلمانو! اگر تم نے اہلِ کتاب کے کسی فرقے کی اطاعت کر لی۔ اگر اُس کی روش پر چل پڑے تو یاد رکھو۔ وہ تمہیں ایمان کے بعد، کفر کی طرف لوٹا دیں گے۔

اس کے بعد ہے۔

وَ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَ أَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيَاتُ اللّٰهِ وَ فِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ وَ مَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۳/۱۰۰)

لیکن تم کس طرح کفر کر سکتے ہو؟ تم ایک اُمت بننے کے بعد، فرقوں میں کس طرح بٹ سکتے ہو۔ اس لئے کہ تم تو وہ ہو کہ

(۱) قوانینِ خداوندی تمہارے سامنے پیش کئے جاتے ہیں، اور

(۲) اس کا رسول تمہارے اندر موجود ہے۔

یاد رکھو۔ جو اس طرح رشتۂ خداوندی کو مستحکم طور پر تھامے رکھے تو اس کی صحیح راستے کی طرف راہ نمائی ہوتی رہے گی۔

اس سے واضح ہے کہ قرآن نے اُمت میں وحدت قائم رکھنے کے لئے دو چیزوں کا موجود رہنا ضروری بتایا۔ ایک کتاب اللہ اور دوسرا رسول۔ اس کے لئے اس نے مسلمانوں سے کہا کہ إِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ... (۴/۵۹) اگر تم میں کسی معاملہ میں تنازعہ ہو جائے تو اسے رسول کے پاس لے جاؤ تاکہ وہ تمہیں بتائے کہ اس باب میں اللہ کا حکم کیا ہے۔ دوسری طرف رسول

وَ فِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ

سے کہا کہ جب یہ اپنے اختلافی امور تمہارے پاس لائیں تو فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ (۴/۵۹) تم ان میں کتاب اللہ کے مطابق فیصلے کیا کرو۔ اس کے بعد اگر کوئی تفرقہ پیدا کرے تو اُس سے کہہ دو کہ تمہارا اُس سے کوئی واسطہ نہیں رہا۔ إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ (۶/۱۵۹) جو لوگ دین میں تفرقہ پیدا کریں اور اس طرح ایک فرقہ بن کر بیٹھ جائیں۔ اے رسول! تیرا ان سے کوئی واسطہ نہیں۔ وہ تیری اُمت سے کٹ کر الگ ہو گئے۔ وہ مسلمان نہیں رہے۔

یہ تھا اُمت میں وحدت قائم رکھنے کا عملی طریق۔ یعنی رسول کی موجودگی جو اختلافی امور میں کتاب اللہ کے مطابق فیصلے دے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوگا کہ رسول نے تو بہرحال اپنی عمرِ طبیعی کے بعد دنیا سے تشریف لیجانا تھا۔ تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ اُمت کی وحدت، رسول اللہ کی دنیاوی زندگی تک ہی رہ سکتی تھی اس کے

رسول اللہ کے بعد

بعد اس کی کوئی صورت ہی نہ تھی؟ قرآن کہتا ہے کہ نہیں۔ تم بات کو صحیح طور پر سمجھے نہیں۔ یہ نظام رسول اللہ کی وفات کے ساتھ ختم نہیں ہو جائے گا۔ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ... (۳/۱۴۳)۔ محمد بجز اس نیست کہ اللہ کے ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے بھی کئی رسول ہو گذرے ہیں تو کیا اگر وہ کل کو وفات پا جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو یہ سمجھ کر کہ دین کا نظام ان کی زندگی تک محدود تھا تم اپنی سابقہ روش کی طرف پلٹ جاؤ گے؟ ایسا نہیں ہوگا۔ یہ نظام بدستور قائم رہے گا۔ رسولؐ کی وفات کے بعد اس کا جانشین (خلیفہ) جو اُمت کے باہمی مشورہ سے منتخب ہوگا، اس کا قائم مقام بن جائے گا اور جو فرائض رسول (بحیثیت مرکزِ ملت) سر انجام دیتا تھا، وہ فرائض اُس کا جانشین انجام دے گا۔ اس وقت تمام اختلافی امور کا فیصلہ، کتاب اللہ کی روشنی میں، خلیفۃ الرسول کرے گا اور اس طرح وَأَنْتُمْ تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ آيَاتُ اللّٰهِ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ کا عملی نظام قائم رہے گا۔ چنانچہ خلیفۂ اول۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت میں جب مسلمانوں کے ایک گروہ نے زکوٰۃ کے مسئلہ میں اختلاف کیا اور سمجھانے کے باوجود اپنے اختلاف پر قائم رہے تو اُن کے خلاف جہاد کیا گیا اور اُمت کی وحدت میں فرق نہیں آنے دیا۔ اُس وقت اگر خلیفۃ الرسول موجود نہ ہوتے تو اسی مسئلہ پر اُمت میں دو فرقے پیدا ہو جاتے۔

اُمت کی وحدت اُس وقت تک رہی جب تک وَفِيكُمْ رَسُولُهُ کا یہ نقشہ قائم رہا۔ لیکن جب

جب یہ نقشہ بگڑ گیا

مسلمانوں میں ملوکیت آگئی تو سیاسی اقتدار، حکمرانوں نے اپنے ہاتھ میں لے لیا اور شخصی معاملات (نکاح۔ طلاق وغیرہ سے متعلق مسائل) اربابِ مذہب کی تفویض میں آگئے۔ امورِ مملکت میں اختلاف کرنے والا سلطنت کا باغی قرار پاتا تھا اس لئے اس کی کسی کو جرأت نہیں ہو سکتی تھی۔

مذہب یتیم تھا اس لئے جس کا جی چاہتا اس میں اختلاف پیدا کر کے ایک نیا فرقہ بنا ڈالتا۔ کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ وَ اَنْتُمْ تُتْلٰی عَلَیْکُمْ آیَاتُ اللّٰہِ وَ فِیْکُمْ رَسُوْلُہٗ کی آیت اُن کے سامنے تھی۔ لیکن اب اس کا مفہوم بدل گیا تھا۔ اب تُتْلٰی عَلَیْکُمْ آیَاتُ اللّٰہِ کا مطلب تلاوتِ قرآن کریم سے لیا گیا۔ باقی رہا وَ فِیْکُمْ رَسُوْلُہٗ تو اس کے معنے یہ سوچا گیا کہ رسول اللہ کی احادیث اکٹھی کر لی جائیں اور اپنے اپنے طور پر ان پر عمل کر لیا جائے۔ اس طریق کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ اُمت میں فرقے پیدا ہوتے۔ یہی مسلک اِس وقت تک چلا آرہا ہے اور اسے عین دین سمجھ لیا گیا ہے۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ وَ فِیْکُمْ رَسُوْلُہٗ کا یہ مطلب نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اُمت میں زندہ جانشینِ رسول کا موجود رہنا ضروری ہے جو مرکزِ ملت کی حیثیت سے دین کا عملی نظام قائم رکھے، تو شور مچا دیا جاتا ہے کہ یہ دین میں فتنہ ہے۔ ان کا شور مچانا تعجب انگیز نہیں۔ جب کوئی قوم عقل و فکر سے کام لینا چھوڑ دے تو اس کے پاس شور مچانے کے علاوہ کوئی اور دلیل نہیں رہ جاتی۔ (پیچھے کے پاس یہی ایک حربہ ہوتا ہے جس سے وہ اپنا ہر مقصد پورا کرتا ہے)

بہرحال۔ ان تصریحات سے یہ حقیقت واضح ہو گئی ہو گی کہ قرآن کریم کی رُو سے اختلافات مٹانے کا ایک ہی طریق ہے۔ اور وہ یہ کہ اُمت میں ایک زندہ مرکز موجود ہو جو تمام اختلافی اُمور کا فیصلہ کتاب اللہ کے مطابق کرے اور جو اس فیصلے سے انحراف کرے اُسے ملت کے دائرے سے باہر نکال دیا جائے۔ لہٰذا اُمت کے لئے اب

خلافت علیٰ منہاجِ رسالت کا احیاء

کرنے کا کام یہ ہے کہ جانشینیٔ رسول کا جو سلسلہ ٹوٹ گیا تھا اس کا دوبارہ احیاء کیا جائے۔ اسی کا نام خلافت علیٰ منہاجِ رسالت یا اسلامی مملکت کا قیام ہے۔ اس مملکت کا کام یہ ہو گا کہ جو کچھ ہمارے پاس دین کے نام سے چلا آرہا ہے قرآن کریم کی روشنی میں اس کا جائزہ لے۔ جو کچھ اس کے مطابق ہو اُسے برقرار رکھے۔ جو اس کے خلاف جائے اسے مسترد کر دے۔ اور اس طرح بتدریج اُمت میں پھر اسی قسم کی وحدت پیدا کر دے جو رسول اللہ کے زمانے میں موجود تھی۔

یہ ہے برادرانِ عزیز! اس سوال کا جواب کہ فرقوں کی موجودگی میں اسلامی آئین کیسے بن سکتا ہے اور فرقوں کی موجودگی

سیاسی پارٹیاں

اسلام پر اثر انداز ہوتی ہے یا نہیں۔ اس مقام پر اتنی وضاحت اور ضروری ہے کہ جو کچھ قرآن نے مذہبی فرقوں کے متعلق کہا ہے وہی حکم سیاسی پارٹیوں کے متعلق ہے۔ دین میں مذہب اور سیاست الگ الگ شعبے نہیں ہوتے۔ اُمت میں تفرقہ بہرحال اسلام کے خلاف ہے خواہ وہ مذہبی فرقوں کی شکل میں ہو یا سیاسی پارٹیوں کی صورت میں اسلامی مملکت میں مسلمانوں کی دو پارٹیاں ہو نہیں سکتیں۔

اسے بصیرت ایک نقطہ اور پیش کرنا ہے۔ جب آئینِ پاکستان کی تدوین کا مسئلہ زیرِ غور تھا تو ہم نے تجویز

کتاب و سُنّت

کیا تھا کہ آئین میں یہ شق ہونی چاہیئے کہ پاکستان میں کوئی ایسا قانون نافذ نہیں کیا جائیگا جو کتاب اللہ کے خلاف ہو۔ اس پر یہ کہا گیا کہ یہ سُنّتِ رسول اللہ کا انکار ہے۔ آئین میں یہ شق رکھنی چاہیئے کہ پاکستان کا کوئی قانون کتاب و سُنّت کے خلاف نہیں ہوگا۔ میں چاہتا ہوں کہ اس فرق کو ذرا واضح طور پر بیان کردوں کیونکہ اسلامی آئین کے سلسلے میں یہ سوال پھر سامنے آئے گا۔ کسی معاملے کے متعلق اگر کوئی شخص قرآن کریم کی کوئی آیت پیش کرے تو اس کے متعلق دنیا کا کوئی مسلمان (خواہ وہ کسی فرقے سے متعلق کیوں نہ ہو) یہ نہیں کہہ سکے گا کہ وہ قرآن کی آیت نہیں۔ اس کے برعکس، حدیث کی کیا پوزیشن ہے، اس کے متعلق، کسی منکرِ حدیث سے نہیں بلکہ حدیث کو دینی حجت ماننے والوں کی زبان سے سنئے۔ آئین سازی کے سلسلے میں اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہ مسلمانوں میں اس قدر فرقے موجود ہیں لائل پور سے شائع ہونے والا جریدہ المنبر اپنی ۲۴ مارچ ۱۹۵۸ء کی اشاعت میں لکھتا ہے۔

> (مسلمانوں کے تمام) گروہ حدیثِ نبوی کو دینی حجت تسلیم کرتے ہیں اور اس امر کا اعتراف کرتے ہیں کہ صحیح حدیث کے مقابلہ میں غیر رسول کی بات حجت نہیں۔ البتہ اختلاف یہاں آن کر رونما ہوتا ہے کہ فلاں حدیث کا انتساب رسولِ برحق کی جانب درست ہے یا نہیں۔

یعنی اگر کسی معاملے کے متعلق کوئی شخص کسی حدیث کو پیش کرے تو سب سے پہلے یہ سوال پیدا ہو جائے گا کہ وہ حدیث رسول اللہ کی ہے بھی یا نہیں۔ ان حضرات کے نزدیک یہ اختلاف کچھ ایسا اہم نہیں جسے درخورِ اعتنا سمجھا جائے۔ حالانکہ بادنیٰ تعمق یہ حقیقت سمجھ میں آجائے گی کہ دین کے معاملے میں اس سے بڑا اختلاف اور کوئی ہو نہیں سکتا کہ جس بات کو رسول اللہ کے فیصلے کی حیثیت سے پیش کیا جائے اس کے متعلق یہ سوال پیدا ہو کہ وہ رسول اللہ کی ہے بھی یا نہیں۔ یہی چیز ہے جو اُمّت میں تمام تفرقوں کا موجب ہے۔ ان حضرات کا قرآن کے متعلق عقیدہ یہ ہے کہ اس کی تفسیر احادیث کی روشنی میں کی جائے گی۔ اور احادیث کی پوزیشن یہ ہے کہ ان کے معانی و مطالب ہی میں اختلاف نہیں بلکہ سرے سے اس بات میں اختلاف ہے کہ جس حدیث کو ایک شخص بطور سند و حجت پیش کر رہا ہے وہ رسول اللہ کی ہے بھی یا نہیں۔ اگر مختلف فرقوں کے اکتیس علماء جو ۱۹۵۱ء میں جمع ہوئے تھے، کسی ایک کتاب کے متعلق یہ کہہ دیتے کہ جو کچھ اس میں لکھا ہے وہ ہم سب کے نزدیک سُنّتِ رسول اللہ ہے، تو آئین میں قرآن کریم کے ساتھ اس کتاب کا نام بھی لکھ دیا جاتا۔ لیکن یہ بات نہ انہوں نے اس وقت کی۔ نہ ہی وہ قیامت تک کر سکتے ہیں۔ لہٰذا ایک ایسی چیز کو آئینی طور پر قانون کی بنیاد قرار دینا جس کی پوزیشن یہ ہو جان بوجھ کر آئین کو ناقابلِ عمل بنانا نہیں تو اور کیا ہے؟ یاد رکھئے۔ اسلامی مملکت کا وہی آئین قابلِ عمل ہوگا جس میں یہ درج ہو کہ مملکت کے فیصلوں کے لئے اصولی طور پر سند کتاب اللہ ہوگی اور کتاب اللہ کے علاوہ اور جو کچھ ہے اس کے متعلق یہ فیصلہ مملکت کرے گی کہ اس میں

کونسی چیز صحیح ہے اور کونسی غلط۔ اور یہ فیصلہ خود کتاب اللہ کی رُو سے ہو گا۔

یہ ہے برادرانِ عزیز! میری بصیرتِ قرآنی کے مطابق اسلامی آئین اور اسلامی مملکت کی پوزیشن میں

ایک مشورہ

کسی سے یہ نہیں کہتا کہ وہ ان تصریحات کو بلا تحقیق صحیح تسلیم کرے۔ ملک کے اربابِ حل و عقد سے میری گذارش یہ ہے کہ وہ ایسے حضرات پر مشتمل ایک کمیشن مقرر کرے جن کی دینی بصیرت پر اعتماد ہو لیکن جن کا تعلق کسی مذہبی فرقے سے نہ ہو۔ وہ کمیشن قرآن کریم کی روشنی میں تمام متعلقہ امور کا جائزہ لے اور قطعی طور پر متعین کرے کہ اسلامک آئیڈیولوجی کسے کہتے ہیں۔ اسلامی آئین کے امتیازی خطوط کیا ہوتے ہیں۔ اور اسلامی مملکت کا منتہیٰ و مقصود کیا۔ ایسے اہم مباحث کے متعلق اجتماعی طور پر کسی حتمی نتیجہ پر نہ پہنچنا اور انہیں انفرادی بحث و نظر کا موضوع بنائے رکھنا، نہ صرف وقت، دولت اور توانائیوں کا ضیاع ہے بلکہ ایسے ذہنی انتشار کا موجب بھی جس کا لازمی نتیجہ مایوسی ہوتا ہے۔ جو کچھ پہلے دس سال تک ہوتا رہا ہے اس سے قوم پر سخت مایوسی چھا چکی ہے۔ اگر اُسے اپنی حالات کا پھر شکار ہونا پڑا تو اس کا نتیجہ جس قدر مضرت رساں ہو گا اس کا اندازہ اربابِ بصیرت بخوبی لگا سکتے ہیں۔

رفیقانِ محترم! مجھے اس کا احساس ہے کہ میں نے آپ کا بہت سا وقت لے لیا ہے۔ لیکن اس کا افسوس نہیں۔ اس لئے کہ یہ سوالات اس قدر اہم اور جس دوراہے پر ہم اس وقت کھڑے ہیں، وہ ایسا نازک ہے کہ اگر ہم نے اس باب میں ذرا سی بھی غفلت برتی تو نہ معلوم ہم کہاں سے کہاں پہنچ جائیں گے۔

تھی ہے تھوڑی سی غفلت بھی طریقِ عشق میں
آنکھ جھپکی قیس کی اور سامنے محمل نہ تھا

ہماری تاریخ میں یہ پہلا موقعہ ہے کہ کسی مملکت نے اس کا فیصلہ کیا ہو کہ وہ اپنا آئین اسلامی خطوط پر مرتب کرنا چاہتی ہے۔ آئین سازی کے پہلے دور نے اس حقیقت کو بے نقاب کر دیا کہ ہم نے یہ فیصلہ تو کر لیا لیکن کسی کو معلوم ہی نہیں تھا کہ اسلامی آئین کسے کہتے ہیں اور دینی مملکت کیا ہوتی ہے؟ وہ دور خدا خدا کر کے ختم ہوا لیکن اب پھر یہی سوالات سامنے آ گئے۔ موجودہ اربابِ حل و عقد کے متعلق میرا اندازہ یہ ہے کہ اس باب میں ان کی نیتیں نیک ہیں لیکن ان کی دشواری یہ ہے کہ اسلامی آئین کا صحیح تصور ان کے سامنے بھی نہیں۔ ہمارے قدامت پسند طبقہ کی طرف سے

ایک بڑا خطرہ

اسلام کا جو تصور پیش کیا جاتا ہے، اس کے متعلق ان کا اندازہ ہے (اور بالکل ٹھیک اندازہ) کہ اس سے ہم دنیا میں ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتے۔ مجھے خدشہ یہ ہے کہ اس صورتِ حالات سے گھبرا کر وہ کہیں اس نتیجے پر نہ پہنچ جائیں کہ جب مذہب کی رُو سے ہزار برس میں یہ نہ طے ہو سکا کہ نماز میں

ہاتھ سینے پر باندھنے چاہئیں یا زیرِ ناف۔ یا بالکل کھلے رکھنے چاہئیں، اس مذہب کی رُو سے امورِ مملکت کس طرح طے پاسکیں گے۔ اور اس طرح، وہ اربابِ شریعت سے کہہ دیں کہ

عمر بھر جی کے بھی جینے کا نہ انداز آیا
زندگی چھوڑ دے پیچھا مرا۔ میں باز آیا

وہ ان سے کہہ دیں کہ شخصی معاملات کو تم سنبھالو۔ امورِ مملکت کو ہم، باقی دنیا کی طرح، سیکولر انداز سے طے کر لیں گے۔
اگر خدانخواستہ ایسا ہو گیا تو نہ صرف یہ کہ مملکتِ پاکستان میں اسلام کے احیاء کی کوئی صورت باقی نہیں رہے گی بلکہ دیگر اسلامی ممالک بھی اس خیال کو ترک کر دیں گے۔ یہ ممالک پاکستان کے اس تجربے کا کس شدت سے انتظار کر رہے ہیں اس کا اندازہ مجھے لا کمیشن کی رکنیت کے زمانے میں ہوا۔ ان ممالک کے کئی اربابِ فکر نے کہا کہ وہ دیکھ رہے ہیں کہ پاکستان نے جس اہم کام کو اپنے ہاتھ میں لیا ہے اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے۔ اس باب میں ہمارا پہلا تجربہ بھی حوصلہ افزا نہیں تھا۔ لیکن اگر ہم نے دوبارہ وہی کچھ کیا تو آپ سوچئے کہ دیگر مسلم ممالک پر اس کا کیا اثر پڑے گا اور غیر مسلم دنیا اسلام کے متعلق کس نتیجے پر پہنچے گی۔ اس سے آگے بڑھ کر میں بالخصوص اپنے ان احباب سے پوچھنا چاہتا ہوں جو طلوعِ اسلام کے مسلک سے متفق ہیں، کہ آپ فرمائیے کہ اگر خدانخواستہ ایسا ہو گیا تو آپ کی کیفیت کیا ہو گی؟ آپ موجودہ غیر قرآنی معاشرہ میں ان حسین امیدوں اور تابندہ آرزوؤں کے سہارے جی رہے ہیں کہ

شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ جہاں معمور ہو گا نغمۂ توحید سے

لیکن اگر آپ کی غفلت اور کم ہمتی سے اس طلوعِ آفتاب میں تاخیر ہو گئی تو آپ کو اس کا کس قدر صدمہ ہو گا۔

شبِ ہجراں کے جاگنے والو　　کیا کرو گے اگر سحر نہ ہوئی

کرنے کا کام

لہٰذا آپ سوچئے کہ اس وقت آپ پر کتنی عظیم ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ یہ ذمہ داری آپ سے کسی لمبی چوڑی قربانی کی بھی خواہاں نہیں۔ اس کا تقاضا فقط یہ ہے کہ آپ اسلامی آئین کے قرآنی تصور کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچائیں۔ اس مقصد کے لئے آپ اپنی بے سروسامانی سے مت گھبرائیے۔ آپ کے دعوے کی صداقت۔ آپ کی نیتوں کا خلوص۔ آپ کے عزم کی پختگی، آپ کے عمل کی مداومت، آپ کے ذرائع کی کمی کو پورا کر دے گی۔ خدا کا کائناتی قانون آپ کی رفاقت کا منتظر اور سہارا چاہتا ہے۔ آپ اس سے ہم آہنگی پیدا کیجئے اور پھر دیکھئے کہ اس کے نتائج کس قدر حیرت انگیز برآمد ہوتے ہیں۔ اے ہمرہانِ خجستہ پا! قدم بڑھائیے۔ زمانہ آپ کا بڑی بے تابی سے انتظار کر رہا ہے۔

معمارِ حرم! باز بہ تعمیرِ جہاں خیز

اسلام کے دانا دشمن، دانستہ۔ اور نادان دوست، نادانستہ طور سے سانس بھر کر کہہ رہے ہیں کہ اس دور میں قرآنی نظام ناقابلِ عمل ہے۔ تاریخ کے ایک دور میں تو اس نے شاندار نتائج پیدا کر دکھائے تھے لیکن اب زمانہ بہت آگے بڑھ چکا ہے۔ اب یہ "چلا ہوا کارتوس" کوئی نتیجہ مرتب نہیں کر سکتا۔ یہ آوازیں اِدھر اُدھر سے سنائی دیتی ہیں اور عوام کے دلوں میں مایوسی پیدا کئے چلی جا رہی ہیں۔ آپ احباب کی ذمہ داری ہے کہ زمانہ کو بتا دیں کہ جو کچھ قرآن نے ایک دور میں کیا تھا اس میں آج بھی اس کی صلاحیت ہے، اور ہمیشہ اس کی صلاحیت رہے گی، کہ ویسے ہی درخشندہ نتائج پھر مرتب کر دکھلائے۔

بمن وصالِ تو باور نمی کند غالبؔ
بیا کہ قاعدۂ آسماں بگردانیم

رفیقانِ محترم! میں نے اس وقت جو کچھ آپ سے کہنا تھا، اسے کہہ چکا۔ آخر میں، میں اپنے قلبِ مضطرب کی انتہائی تپش و خلش کے ساتھ اس درخواست کو پھر دہراتا ہوں کہ آپ وقت کی آواز کو پہچانیں اور قرآنی فکر کے عام کرنے میں جو کچھ بن پڑے، کر گزریں۔ — عجب کہ آپ کی ان کوششوں سے ابنِ آدم کو اس کا وہ فردوسِ گم گشتہ پھر سے مل جائے جس کی تلاش میں وہ یوں مارا مارا پھر رہا ہے۔

بیا ایں خاکداں را گلستاں ساز — جہانِ پیر را دیگر جواں ساز
بیا یک ذرہ از دردِ دلم گیر — تہِ گردوں بہشتِ جاوداں ساز

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔

پرویز

طلوعِ اسلام کا مقصد و مسلک

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر مختصر الفاظ میں واضح کر دیا جائے کہ طلوعِ اسلام کا مسلک کیا ہے اور مقصد کیا تاکہ وہ سعید روحیں جو حقیقت کی متلاشی ہوں انھیں معلوم ہو جائے کہ ہم کہتے کیا ہیں؟ ہمارا مسلک یہ ہے کہ

(۱) دین کا مقصد یہ ہے کہ وہ انسانوں سے خالص قوانینِ خداوندی کی اطاعت کرائے اور اس طرح کوئی انسان دوسرے انسان کی محکومی اور غلامی میں نہ رہے۔ خواہ یہ غلامی ذہنی اور فکری ہو اور خواہ طبعی اور اقتصادی۔

(۲) قوانینِ خداوندی کی اطاعت ایک نظام کی رُو سے ہو سکتی ہے جسے استخلاف فی الارض (یا نظامِ مملکت) کہتے ہیں۔ قرآن کی رو سے استخلاف فی الارض کے بغیر دین کا تمکن ہو نہیں سکتا۔

(۳) قرآن نے (بجز مستثنیات) دین کے اصولی قوانین دیئے ہیں اور اسے اس نظام پر چھوڑا ہے کہ وہ ان اصولوں کی روشنی میں اپنے وقت کے تقاضوں کے مطابق جزئیات خود متعین کرے۔

(۴) رسول اللہؐ نے سب سے پہلے نظامِ قرآنی قائم کیا اور اپنے رفقائے کار (صحابہ کبارؓ) کے مشورہ سے قرآن کے اُصولی احکام کی جزئیات مرتب فرمائیں۔

(۵) رسول اللہؐ کے بعد دین کا یہی نظام، حضورؐ کے خلفائے راشدینؓ نے جاری رکھا جو امورِ ملّت کو مِلّت کے مشورے سرانجام دیتے تھے۔ قرآن کے جن اصولوں کی جزئیات اس سے پہلے متعین نہیں ہوئی تھیں، انھوں نے ان کا تعین کیا جن میں کسی ردّ و بدل کی ضرورت تھی ان میں ضروری تغیّر و تبدّل کیا۔ جن میں ایسی ضرورت نہیں تھی انھیں علیٰ حالہٖ باقی رکھا۔

(۶) بدقسمتی سے خلافت علیٰ منہاجِ رسالت کا یہ سلسلہ کچھ عرصہ کے بعد منقطع ہو گیا اور دین کا قرآنی نظام باقی نہ رہا۔ اس سے اُمّت میں انتشار پیدا ہو گیا جس میں ہم اس وقت تک مبتلا ہیں۔ اب کرنے کا کام یہ ہے کہ پھر سے اسی انداز کا نظام قائم کیا جائے جو اُمّت کو قرآن کے مطابق چلائے۔

(۷) جب تک اس قسم کا نظام قائم نہیں ہوتا، اُمّت کے مختلف فرقے، مختلف جزئیات پر جس جس انداز سے عمل پیرا ہیں، کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ ان میں کسی قسم کا ردّ و بدل کرے۔ یہ حق صرف قرآنی نظام کو پہنچتا ہے کہ وہ ان اختلافات کو مٹا کر پھر سے اُمّت میں وحدت پیدا کرے۔ اس دوران میں اتنا ہی کیا جا سکتا ہے کہ دین کے اس تصور کو زیادہ سے زیادہ عام کیا جائے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ قرآن کا متعین کردہ دین کیا ہے۔

(۸) قرآن تمام نوعِ انسانی کے لئے واحد اور مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اس کے ساتھ وحی کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ لہٰذا قرآن کے بعد خدا کی طرف سے کوئی اور کتاب آ سکتی ہے نہ رسول اللہؐ کے بعد کوئی اور نبی یا رسول۔

(۹) قرآن کا ہر دعویٰ علم پر مبنی ہے اور اس کے حقائق زمان و مکان کی حدود سے ماوراء۔ قرآنی حقائق کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے

کہ اپنے زمانہ کے علوم و فنون جس حد تک ترقی کر چکے ہیں وہ انسان کے سامنے ہوں۔ اور چونکہ قرآن کا ارشاد ہے کہ یہ تمام کائنات انسان کیلئے تابع تسخیر کر رکھی ہے۔ اس لئے خدائی پروگرام کو پورا کرنے کے لئے کائناتی قوتوں کی تسخیر لاینفک ہے۔

(۱۰) نبی اکرمؐ کی سیرت مقدسہ، شرفِ انسانیت کی معراجِ کبریٰ کی مظہر تھی۔ لیکن بدقسمتی سے ہماری کتب روایات و تاریخ میں ایسی باتیں شامل ہو گئی ہیں جن سے حضورؐ کی سیرت داغدار ہو کر سامنے آتی ہے۔ آپ کی سیرت طیبہ کا جو حصہ قرآن کے اندر محفوظ ہے اس کے قطعی اور یقینی ہونے میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں۔ باقی رہا وہ حصہ جو قرآن کے باہر ہے سو اس میں اگر کوئی بات ایسی ہے جو قرآن کے خلاف جاتی ہے یا جس سے حضورؐ پر کسی قسم کا طعن پایا جاتا ہے تو وہ بلا ہمارے نزدیک وضعی ہے اور حضورؐ کی طرف غلط منسوب۔ ضرورت ہے کہ سیرت نبویؐ کے صحن چمن سے ان کانٹوں کو الگ کر دیا جائے۔ جو روایات نہ قرآن کے خلاف ہیں اور نہ ہی ان سے حضورؐ کی سیرت مقدسہ پر کسی قسم کا حرف آتا ہے انھیں ہم صحیح مانتے ہیں۔

(۱۱) قرآنی نظام کا مقصود یہ ہے کہ انسان کی مضمر صلاحیتوں کی پوری پوری نشوونما ہو جائے تاکہ نوعِ انسانی اس زندگی میں سر اٹھا کر چلنے، اور اس کے بعد کی زندگی میں شرفِ انسانیت کے باقی مراحل طے کرنے کے قابل ہو سکے۔

(۱۲) قرآنی نظام میں تمام افرادِ معاشرہ کی بنیادی ضروریاتِ زندگی بہم پہنچانے کی ذمہ داری معاشرہ پر ہوتی ہے۔ اس اہم فریضہ کی ادائیگی کے لئے ضروری ہے کہ وسائل پیداوار معاشرہ کی تحویل میں رہیں نہ کہ افراد کی ذاتی ملکیت میں جس میں معاشرہ کوئی دخل نہ دے سکے۔ یاد رہے کہ یہ تصور کمیونزم کے تصور سے یکسر مختلف ہے جس میں انسان کی طبیعی زندگی کے علاوہ کسی اور زندگی کا تصور ہی نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کا نظام ربوبیت نہ سرمایہ داروں کے لئے خوش آئند ہو سکتا ہے نہ کمیونسٹوں کے لئے۔ جس طرح اسلام اور سرمایہ داری باہم دگر متضاد ہیں اسی طرح اسلام اور کمیونزم بھی ایک دوسرے کی نقیض ہیں۔

یہ ہے ہمارا مسلک اور مقصد جسے ہم برسوں سے دہراتے چلے آ رہے ہیں۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہماری طرف منسوب کیا جاتا ہے وہ مخالفین کا پراپیگنڈا ہے جو خاص مقصد کے لئے کیا جا رہا ہے۔ اسے بجز حسن سمجھیے کہ

طلوع اسلام کا تعلق نہ کسی سیاسی پارٹی سے ہے، نہ کسی مذہبی فرقہ سے۔ فرقہ اہل قرآن سے بھی ہمارا کوئی تعلق نہیں۔ ہم دین میں فرقہ سازی کو شرک سمجھتے ہیں اس لئے ہم کوئی نیا فرقہ بھی پیدا نہیں کرنا چاہتے۔ مسلمان جس طرح نماز، روزہ وغیرہ کی ادائیگی کرتے ہیں ہم ان میں کسی قسم کا رد و بدل نہیں کرتے۔ ہم صرف قرآن کریم کی تعلیم کو عام کرتے ہیں تاکہ اس طرح فضا اس قرآنی معاشرہ کے قیام کے لئے سازگار ہو جائے جس کے لئے پاکستان وجود میں آیا تھا۔

جو حضرات طلوع اسلام کے اس مقصد سے متفق ہوتے ہیں وہ مقامی طور پر مل بیٹھ کر اجتماعی طور پر اس فکر کو عام کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کی اس تنظیمی کوشش کا نام بزم طلوع اسلام ہے۔ اراکین بزم سے نہ کوئی نیا عقیدہ منوایا جاتا ہے۔ نہ قوانین خداوندی کے علاوہ کسی کی اطاعت مانگی جاتی ہے (کہ وہ بھی شرک ہے) نہ وہ کوئی الگ پارٹی بناتے ہیں۔ نہ فرقہ۔ نہ کسی کو اپنا پیر سمجھتے ہیں نہ امیر۔ یہ متفق الخیال احباب کا اجتماع ہوتا ہے جو یک جہتی اور اتحاد عمل سے قرآنی فکر کی نشر و اشاعت کرتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

استقبالیہ

(چوھدری عبدالرحمن صاحب۔ صدر کنونشن کمیٹی۔ لاہور)

برادرانِ من۔ السلام علیکم۔

اگست ۱۹۵۶ء کا ذکر ہے کہ جس مقام پر اس وقت آپ تشریف فرما ہیں، اس کے سامنے، ایک کمرے میں، رات کے وقت دو بھائی ۔۔ جو بھائی ہی نہیں بلکہ دلی دوست بھی تھے ۔۔ ایک کتاب کے مطالعہ میں مصروف تھے۔ ان دونوں کی پرورش اور تربیت، مذہبی ماحول میں ہوئی تھی۔ لیکن چونکہ انھیں فطرت کی طرف سے سوچنے کی صلاحیت عطا ہوئی تھی اس لئے وہ مروجہ مذہب سے مطمئن نہیں تھے اور تلاشِ حقیقت میں سرگرداں تھے۔ وہ کتاب اور اس کا رات کی تنہائیوں میں اس وقت مطالعہ جب سارا عالم سوتا تھا ۔۔ اور پھر مطالعہ کے ساتھ بحث و تمحیص، اس تلاشِ حقیقت کے مظاہر تھے۔ وہ کتاب تھی "قرآنی فیصلے" آدھی رات کے قریب، جب مطالعہ ختم ہوا تو ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ جس طرح ہم دونوں، اس باب میں ہم خیال ہو گئے ہیں کہ حقیقی اسلام وہ ہے جس کی جھلک اس کتاب میں نظر آتی ہے، ہو سکتا ہے کہ ہماری طرح اور بھی بہت سے لوگ اس نتیجے پر پہنچے ہوں۔ کیوں نہ ایسے تمام لوگوں کو ایک جگہ اکٹھا کیا جائے اور باہمی مشاورت سے یہ سوچا جائے کہ اس حقیقی اسلام کو بروئے کار لانے کے لئے کیا کرنا چاہیئے۔ یہ باتیں کرتے کرتے دونوں سو گئے۔ صبح اٹھ کر دیکھا تو جس کے دل میں وہ خیال آیا تھا، وہ کمرے کے سامنے کھلی زمین پر ماپ ماپ کر نشان لگا رہا تھا۔ دریافت کرنے پر اس نے کہا کہ جو کام کرنا ہو اس میں تاخیر نہیں کرنی چاہیئے۔ یہ نشانات طلوعِ اسلام کی پہلی کنونشن کے پنڈال کی لکیریں تھیں۔ لکیریں لگانے والا، کنونشن سے پہلے ہی ہم سے جدا ہو گیا۔ وہ سامنے قبر میں آسودۂ خاک ہے۔ اور اُس کا بھائی اِس وقت آپ کے سامنے کھڑا، غم اور خوشی کے ملے جلے جذبات سے، آج سے قریب تین سال پہلے کی داستان آپ کے سامنے دُہرا رہا ہے۔ وہ مرنے والا آج ہم میں موجود نہیں لیکن اس کے تصور نے اس اجتماع کا جو ننھا سا بیج بویا تھا، اس سے جو سرسبز و شاداب شجرِ حیات کِھل رہا ہے وہ اس حقیقت کی زندہ شہادت ہے کہ

مرنے والے مرتے ہیں لیکن فنا ہوتے نہیں وہ حقیقت میں کبھی ہم سے جدا ہوتے نہیں

برادرانِ عزیز! طلوعِ اسلام کی پہلی کنونشن، اسی مقام پر نومبر ۱۹۵۶ء میں منعقد ہوئی تھی۔ دوسری کنونشن اکتوبر ۱۹۵۷ء میں

راولپنڈی میں۔ اور تیسری کنونشن پھر اسی مقام پر اب منعقد ہو رہی ہے۔ پہلی اور تیسری کنونشن میں جو فرق ہے، وہ آپ احباب کے سامنے ہے۔ مجھے اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ کے ان اجتماعات کی نظیر اور کہیں نہیں مل سکتی، ہماری تاریخ میں زمانۂ اول کے بعد، یہ پہلا موقع ہے جب کچھ لوگوں کے دل میں یہ آرزو بیدار ہوئی ہے کہ اس خطۂ زمین میں خالص قرآنی نظام قائم کیا جائے۔ یہ اجتماع انہی احباب کی یک رنگی اور ہم آہنگی کا آئینہ دار ہے۔ اور انہی احباب کو خوش آمدید کہنے کی سعادت میرے حصہ میں آئی ہے۔ میں اپنے بخت کی اس یاوری پر جس قدر بھی فخر کروں کم ہے۔ میں ایک سپاہی آدمی ہوں۔ الفاظ کی دنیا میری دنیا نہیں۔ اس لئے میں آپ حضرات کی خدمت میں اس سے زیادہ اور کیا عرض کروں کہ

جان تم پر نثار کرتا ہوں میں نہیں جانتا دعا کیا ہے

برادرانِ مکرم۔ آپ نے راولپنڈی کنونشن میں مجھے کنونشن کمیٹی کا صدر منتخب کر کے، ایک عظیم ذمہ داری میرے سر پر ڈال دی۔ اکتوبر ۱۹۵۸ء میں نمائندگان کے اجتماع نے اس انتخاب اور کنونشن کمیٹی کی تصویب بھی کر دی۔ آپ کے اس فیصلہ کے مطابق یہ تیسرا اجتماع آج اس مقام پر منعقد ہو رہا ہے۔ دلی آرزو ہے کہ یہ حسن و خوبی اختتام پذیر ہو اور اسی قسم کے سینکڑوں اجتماعات کی تمہید ثابت ہو۔

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

آپ احباب نے پہلی کنونشن میں یہ فیصلہ بھی کیا تھا کہ ادارہ طلوع اسلام کو کراچی سے لاہور منتقل ہو جانا چاہیئے۔ اس فیصلہ کی تعمیل میں، محترم پرویز صاحب، ادارہ سمیت، گذشتہ اپریل، کراچی سے لاہور تشریف لے آئے۔ اس نقل مکانی کی تفصیل تو ناظم صاحب (غالباً) اپنی رپورٹ میں بیان فرمائیں گے۔ میں نے یہ تذکرہ صرف اس دلی مسرت کے اظہار کیلئے چھیڑا ہے جو پرویز صاحب اور ادارہ کے لاہور آجانے سے، ہم احباب لاہور کو ہوئی ہے۔ یہ فی الواقعہ ہماری بڑی خوش بختی اور سعادت ہے کہ ہم پرویز صاحب اور ادارہ سے اس قدر قریب ہو گئے ہیں۔ اس فیصلہ کے خلاف کراچی کے احباب جو اس قدر احتجاج کر رہے تھے تو اس باب میں ان کے جذبات قابل فہم تھے۔ لیکن میں اتنا عرض کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ادارہ کے لاہور منتقل ہونے کا حقیقی فائدہ ہماری تحریک کو ہوا ہے۔ احباب لاہور جو اس سے فیض یاب ہوئے ہیں تو یہ اس سودے کا زائد نفع ہے۔ جب ہم نے اس کی تحریک کی تھی تو اس وقت بھی ہمارے پیش نظر تحریک کا مفاد تھا۔ نہ کہ ذاتی منفعت۔ یہ ہماری حسن نیت تھی جس کا بدلہ ہمیں ادارہ اور پرویز صاحب سے پیہم فیضیاب ہونے کی شکل میں ملا ہے۔ لیکن ادارہ کے لاہور آجانے سے احباب لاہور پر جو مزید ذمہ داریاں عائد ہوئی ہیں، وہ بھی کچھ کم نہیں۔ میں اس امر کے اظہار میں بجا فخر اور مسرت محسوس کرتا ہوں کہ میرے احباب کو ان ذمہ داریوں کا احساس ہے اور وہ ان سے عہدہ برآ ہونے کے لئے پوری پوری کوشش کرتے ہیں۔

اکتوبر ۱۹۵۸ء کے اجتماع میں یہ فیصلہ ہوا تھا کہ کنونشن کے لئے ضروری برتن وغیرہ اپنے مزید لئے جائیں۔ اس کے لئے مختلف بزموں نے پیش کش کی تھی۔ ان کی طرف سے مجھے اس وقت تک حسب ذیل رقوم موصول ہوئی ہیں۔

بزم	رقم موصولہ	بزم	رقم موصولہ	بزم	رقم موصولہ	بزم	رقم موصولہ
۱۔ کراچی	301/-	۶۔ راولپنڈی	100/-	۱۱۔ ٹنگسی	5/-	۱۶۔ چنیوٹ	40/-
۲۔ پنڈدادنخان	10/-	۷۔ پشاور شہر	50/-	۱۲۔ ہنگو	10/-	۱۷۔ چونڈہ	10/-
۳۔ چارباغ	10/-	۸۔ لاہور	300/-	۱۳۔ مردان	100/-	۱۸۔ ڈیرہ غازیخان	20/-
۴۔ سید حسن	10/-	۹۔ سیالکوٹ شہر	50/-	۱۴۔ شیخوپورہ	10/-		
۵۔ چک نمبر ۵ شمالی	50/-	۱۰۔ پشاور چھاؤنی	25/-	۱۵۔ بلکری ضلع جھنگ	10/-	میزان:۔	1111/-/- روپے

اس سے ضروری برتن خرید لئے گئے ہیں۔ اس کا حساب دفتر میں موجود ہے۔

برتنوں کے علاوہ، کنونشن کے لئے کرسیوں اور شامیانوں کی مد بھی ایسی ہے جس پر کرائے کا کافی خرچ آجاتا ہے۔ پرویز صاحب کے ہفتہ وار درس قرآن کے سلسلہ میں، ادارہ کچھ کرسیاں اور شامیانے کراچی سے اپنے ساتھ لایا ہے۔ اس کنونشن میں انہیں بھی استعمال میں لایا گیا ہے۔ لیکن ضرورت ان سے کہیں زیادہ کی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر ان اشیاء کو بھی خرید لیا جائے تو بہت سے خرچ کی کفایت ہو جائے گی۔ میں اس تجویز کو اراکین کے غور اور فیصلے کے لئے الگ پیش کر رہا ہوں۔ اس مرتبہ کنونشن کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں اراکین کے علاوہ، دیگر احباب کو جو ہماری تحریک سے بالعموم متفق ہیں بطور مبصر شامل ہونے کی اجازت دی گئی ہے۔ جیسا کہ آپ احباب کو معلوم ہے، طلوع اسلام کا تعلق نہ کسی سیاسی پارٹی سے ہے اور نہ ہی کسی مذہبی فرقے سے۔ یہ قرآنی فکر کی عام نشر و اشاعت کی اجتماعی کوشش کا نام ہے۔ اس کے اجلاس میں کوئی بات راز کی نہیں ہوتی جسے غیر اراکین سے مخفی رکھنے کی ضرورت ہو۔ ہمارا ہر فیصلہ کھلا کھلا ہوتا ہے۔ اس لئے مبصرین کی شمولیت ہمارے لئے باعث مسرت ہے میں ان کا بھی تہ دل سے استقبال کرتا ہوں۔ البتہ (جیسا کہ انہیں معلوم ہے) وہ کنونشن کی کارروائی میں حصہ نہیں لے سکتے۔ اس لئے کہ کنونشن بنیادی طور پر اراکین بزم ہائے طلوع اسلام کا اجتماع ہے۔

ہم نے آپ احباب کے آرام کے لئے امکان بھر انتظامات کئے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ہو سکتا ہے کہ کسی صاحب کو ان کے حسب منشاء آرام نہ مل سکے۔ میں ایسے احباب سے معذرت خواہ ہوں۔ لیکن مجھے اس کا اطمینان ہے کہ کنونشن میں شریک ہونے والے احباب نے کبھی اپنے آپ کو مہمان نہیں سمجھا۔ ہم میں درحقیقت نہ کوئی مہمان ہے نہ میزبان۔ یہ ہم سب کا مشترکہ انتظام ہے اس لئے اگر اس میں کوئی نقص دکھائی دے تو ہم میں سے ہر ایک کا فریضہ ہے کہ اسے دور کرنے کی کوشش کرے۔ اور اگر وہ نقص ایسا ہو جس کا دُور کیا جانا ہمارے بس کی بات نہ ہو تو ہمیں خندہ پیشانی سے اُسے گوارا کر لینا چاہیئے۔ منزل تک پہنچنے کے لئے راستے کی تکالیف کو کشادہ دلی سے برداشت کرنا بہتر ہوتا ہے۔

ایک ضروری بات یاد آگئی۔ پچھلی مرتبہ ہم نے نماز کا انتظام کنونشن کے اندر ہی کیا تھا۔ لیکن اس مرتبہ طے یہ پایا ہے کہ جلسہ گاہ سے متصل جو جامع مسجد ہے، نماز اس میں جا کر پڑھی جائے۔ اس لئے احباب سے درخواست ہے کہ وہ مسجد میں جا کر نماز ادا کریں۔

پروگرام آپ کو مل چکا ہے۔ اس کے اوقات کا خاص طور پر خیال رکھا جائے۔

آخر میں، میں لاہور کے ان احباب کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں جن کی شبانہ روز محنت کے بغیر انتظامات کسی صورت میں بھی مکمل نہیں ہو سکتے تھے۔ درحقیقت، یہ ہماری بڑی خوش بختی ہے کہ یہاں اس قسم کے احباب موجود ہیں جو تحریک کے ہر معاملہ میں تیلی تعاون کا ثبوت دیتے ہیں اور خود تنگی میں گزارہ کر کے دوسروں کے آرام و راحت کو اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں۔ انھیں میرے شکریہ کی ضرورت نہیں لیکن میرے لئے ان جذبات کا اظہار ضروری تھا جو میرے دل کی گہرائیوں سے بے ساختہ اُبھر رہے تھے۔

آپ کی اطلاع کے لئے اتنا عرض کر دینا ضروری ہے کہ ہمارے کیمپ کے "جنرل کمانڈر" اخی مکرم چوہدری افتخار احمد صاحب ہیں۔ اس لئے احباب اپنی تکالیف یا تجاویز کے لئے ان کی طرف رجوع کریں۔

میں ایک بار پھر آپ جملہ احباب کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور متوقع ہوں کہ آپ اس اجتماع کو بہمہ وجوہ کامیاب بنانے میں اپنے دلی تعاون کا ثبوت دیں گے۔ والسلام

(چوہدری) عبدالرحمٰن

صدر کنونشن کمیٹی۔ بہترین کنونشن ہاؤس۔ لاہور

رپورٹ

(ناظم ادارۂ طلوعِ اسلام)

یارانِ ہم سفر! السلام علیکم۔ موجودہ قرآنی سفر کی ابتدا کم و بیش تیس سال ادھر ہوئی تھی جبکہ محترم پرویز صاحب نے یکہ و تنہا اس کا آغاز کیا۔ وہ چلتے رہے، چلتے رہے۔ نہ تھکے اور نہ ستانے کے لئے رکے۔ مدتوں کے بعد راستے کے ادھر ادھر خال خال ایسے افراد نظر آنے لگے جن کے دلوں میں سفر کا شوق تو تھا لیکن پاؤں میں چلنے کی ہمت نہ تھی۔ شدہ شدہ وہ وقت آیا کہ لاہور کنونشن میں پرویز صاحب پکار اٹھے کہ

گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں

ہمارے مشترکہ سفر کا یہ تیسرا پڑاؤ ہے۔ فضا کی سازگاری کے ساتھ ساتھ مسائل کا ہجوم قرآنی فکر کے حامیوں کو زبردست چیلنج اور قدم قدم پر ہمتوں اور قوائے عمل کو للکار رہا ہے۔ وقت کے اس چیلنج کو لبیک کہنا اور حوصلہ اور ہمت سے مشکلات کو دور کرنے کا تہیہ کرنا حامیانِ قرآن کا اہم فریضہ ہے۔

تیز ترک گامزن منزلِ ما دور نیست

کراچی سے لاہور: ہم سفر کے پہلے پڑاؤ یعنی لاہور کنونشن میں فیصلہ ہوا تھا کہ پرویز صاحب ادارہ سمیت کراچی سے منتقل ہو کر مستقل قیام لاہور میں کریں تاکہ رفتارِ سفر میں اضافہ اور رفتار میں تیزی پیدا ہو سکے۔ پرویز صاحب نے فیصلہ کی تعمیل کر دی لیکن ادارہ جن توقعات کو لے کر یہاں آیا تھا، وہ ہنوز شرمندۂ معنی نہیں ہوئیں۔ بلکہ، جیسا کہ ذرا آگے چل کر بتایا جائے گا، بعض اعتبار سے یہ نقل مکانی نقصان کا موجب ثابت ہوئی ہے۔ بایں ہمہ ادارہ کو اپنے احباب پر پورا اعتماد اور یقین ہے کہ ہمارا یہ تجربہ کچھ عرصہ میں اس تصور پر پورا اترے گا جس کے لئے اسے اختیار کیا گیا تھا۔

پیشکش برائے لغت: اسی طرح دوسرے پڑاؤ یعنی راولپنڈی کنونشن میں طے پایا تھا کہ لغات اور مفہوم القرآن کی طباعت کے لئے مالی وسائل

بہم پہنچائے جائیں۔ مختلف بزموں اور افراد نے اعانت کی پیشکش کی۔ اور گزشتہ ڈیڑھ سال میں اپنے اپنے وعدہ کی ایفا میں کوشاں رہے۔ کوشش کے نتائج کا گوشوارہ رپورٹ کے خاتمہ پر درج ہے۔ گوشوارہ میں وعدہ کی رقم وصولی اور بقایا دکھائے گئے ہیں۔ بزموں کے وعدہ کی مجموعی رقم -/۲۸۲۳۱ تھی۔ اس میں سے ۱۸۴۴۰/۲/۶ کی رقم وصول ہو چکی ہے۔ اور بقایا ۹۷۹۰/۱۳/۶ ہے۔ افراد کے وعدوں کی میزان -/۲۳۳۲۹/۸ تھی۔ جس میں سے -/۲۱۸۸۰/۱۴ روپے ادا ہو چکے ہیں اور -/۱۴۴۸/۱۰ روپے باقی ہیں۔ گوشوارہ کو بغور ملاحظہ فرمائیں۔ اگر کہیں کوئی غلطی نظر آئے تو فوراً ادارہ کو اس کی طرف متوجہ کریں۔

طباعت میں مشکلات آپ منتظر ہوں گے کہ ہمیں جلد از جلد بتاؤں کہ لغت کی طباعت کا کام کس مرحلہ میں ہے۔ یہ داستان طویل اور صبر آزما ہے طباعت کے سلسلہ میں پہلا فیصلہ تو یہ تھا کہ چونکہ پرویز صاحب اور ادارہ کراچی سے لاہور منتقل ہونے والے ہیں اس لئے طباعت کراچی کے بجائے لاہور میں شروع ہونی چاہیئے جہاں طباعت کے وسائل کراچی سے کہیں زیادہ ہیں۔ کراچی کے بقیہ قیام میں صرف یہ ہو سکتا تھا کہ لغت کی کتابت شروع کرا دی جائے۔ لیکن چونکہ کراچی کی آب و ہوا کتابت شدہ کاپی کے لئے سازگار نہیں ہوتی، اس لئے مناسب یہی معلوم ہوا کہ کتابت کا کام بھی لاہور پہنچ کر شروع کیا جائے اور وقت کی کمی کو کاتبوں کی تعداد بڑھا کر پورا کر لیا جائے۔ راولپنڈی کنونشن اکتوبر ۱۹۵۷ء میں ہوا تھا۔ اور پرویز صاحب نے کراچی کو اپریل ۱۹۵۸ء میں الوداع کہا۔ اس چھ ماہ کے عرصہ میں موعودہ رقوم حوصلہ افزا انداز سے وصول ہوتی رہیں اور امید بندھ گئی کہ لاہور پہنچ کر ۱۹۵۸ء کے خاتمہ تک لغت کی پہلی جلد ان شاء اللہ تیار ہو جائے گی۔ چنانچہ لاہوری کاتبوں کی جانچ اپریل ۱۹۵۸ء میں شروع ہو گئی۔ لیکن تین چار ماہ کی مسلسل کوشش کے بعد یہ افسوسناک حقیقت سامنے آئی کہ حسب منشا کاتب دستیاب نہیں ہو سکتے اور اس وجہ سے کتابت کے خیال کو ترک کرنا پڑے گا۔ لغت کا انداز تحریر عام کتابوں سے بہت مختلف ہے۔ لغت کی کتابت میں کم از کم تین مختلف قلم ساتھ ساتھ استعمال ہوں گے۔ ایک اردو کے لئے۔ دوسرا عربی کے لئے۔ تیسرا باریک قلم حوالجات کے لئے۔ کاتب کو گھڑی گھڑی ایک قلم رکھنا اور دوسرا اٹھانا پڑے گا۔ علاوہ ازیں عام خط کا جلی ہونا بھی ضروری ہے تاکہ جلی لکھی ہوئی کاپی سے آفسٹ کے لئے مناسب تناسب سے عکس لیا جا سکے۔ ان اہم شرائط کو پورا کرنے کے لئے کاتب تیار نہیں ہوئے اور جو ایک آدھ تیار ہوا تو اس کا مطالبہ ایسا تھا کہ پیشکش کی تقریباً نصف رقم صرف کتابت کی نذر ہو جاتی۔ نیز یہ ایک کاتب کے بس کی بات بھی نہ تھی۔ کم از کم تین چار کاتب ایسے ہوتے جن کا قلم قریب قریب یکساں ہوتا تو ان کے سپرد کام کیا جا سکتا تھا۔ ان حالات میں اس کے سوا چارہ نہ رہا کہ لغت کو ٹائپ میں چھپوایا جائے۔ چنانچہ ٹائپ میں چھاپنے کی تگ و دو شروع ہوئی اور خاصی دقت سے ایسا ٹائپ مل گیا کہ جس کے پڑھنے میں زیادہ کاوش درکار نہیں تھی۔ لیکن افسوس ہے کہ متعلقہ پریس نے ٹائپ کی مطلوبہ مقدار مہیا کرنے سے مجبوری کا اظہار کر دیا۔ اور معاملہ پھر روز اول کا ہو گیا۔ پھر مشورے شروع ہوئے اور بالآخر طے یہ ٹھیری کہ خود اپنا مختصر سا پریس لگایا جائے۔ چنانچہ مشین کی تلاش شروع ہو گئی۔ لائلپور۔ لاہور۔ پشاور وغیرہ میں مشینیں مل سکتی تھیں لیکن سودا نہ ہو سکا۔ وقت تیزی سے گذر رہا تھا اور بے اطمینانی اور مایوسی دامنگیر تھی۔ اسی کشمکش میں پرویز صاحب نے فیصلہ فرمایا کہ لغت کی سابیات کی

طباعت تو فوراً کسی نہ کسی پریس میں شروع کر دینی چاہیئے اور اصل متن کی طباعت کے لئے کاوش جاری رہے گی۔ مبادیات کی تفصیل یہ ہے کہ شروع میں عربی گرامر کے ضروری قواعد نہایت آسان زبان میں اس انداز سے دیئے گئے ہیں کہ اگر انہیں اچھی طرح سمجھ لیا جائے تو قرآن کریم کی آیات کی ترکیب اور الفاظ کا باہمی تعلق واضح طور پر سامنے آجائے گا۔ اس کے بعد ایک مبسوط فہرست مرتب کی گئی ہے جس میں قرآن کریم کا ہر لفظ اس شکل میں دیا گیا ہے جس میں وہ قرآن میں آیا ہے اور اس کے سامنے وہ مادہ دیا گیا ہے جس کے تحت وہ لفظ لغت میں ملے گا۔ ان مبادیات کے بعد اصل لغت شروع ہوگی۔ لغت کا تفصیلی مقدمہ "مبادیات" سے الگ ہوگا۔

للہ الحمد کہ اس وقت تک مبادیات کے قریب ایک سو صفحات چھپ چکے ہیں۔ اور ان کا نمونہ احباب کے ملاحظہ کے لئے طلوع اسلام کے بک اسٹال پر رکھ دیا گیا ہے

لاہور پہنچکر سالانہ لاہور کنونشن کی قرارداد جس میں پرویز صاحب کو کراچی سے لاہور چلے آنے کی سفارش کی گئی تھی، پوری ہو چکی ہے یعنی اب پرویز صاحب اور ادارہ طلوع اسلام مستقل طور پر لاہور میں جاگزیں ہو چکے ہیں۔ اس مکانی تبدیلی کی مختصر داستان یہ ہے کہ قرارداد مذکور نومبر ۱۹۵۶ء میں منظور ہو چکی تھی۔ یہ فیصلہ عملی شکل اسی صورت میں اختیار کر سکتا تھا جب لاہور میں پرویز صاحب کی سکونت اور ادارہ کی ضروریات کے لئے مکان مل جاتا۔ مکان ملنے کی اس کے سوا کوئی شکل نہ تھی کہ پرویز صاحب کا کراچی والا مکان فروخت ہو اور اس سے لاہور میں مکان بنوا لیا جائے۔ یہ مراحل اپریل ۱۹۵۸ء سے پہلے طے نہ ہو سکے۔ ۱۰ اپریل کو پرویز صاحب نے گیارہ سالہ قیام کے بعد کراچی کو الوداع کہا اور ۱۰ اپریل ۱۹۵۸ء کو لاہور میں تشریف فرما ہو گئے۔ لاہور میں مکان کی تعمیر کا کام بہت پہلے شروع ہو چکا تھا لیکن تا حال بسنے کے قابل نہیں ہوا تھا۔ اس لئے پرویز صاحب نے قیام کرایہ کے مکان میں کیا اور وہیں ادارہ کا سامان بھی رکھ دیا گیا۔ اپنے مکان کی تکمیل میں تقریباً تین ماہ اور لگے اور اوائل جولائی ۱۹۵۸ء میں ادارہ اور پرویز صاحب اس میں آ بسے۔ آتے ہی درس قرآن کا آغاز کر دیا گیا اور بحمداللہ پہلے ہی درس میں حاضری نہایت حوصلہ افزا رہی۔ تبدیلی مقام میں انتظامات لازماً گڑبڑ ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ جون کا طلوع اسلام جسے حسب اعلان لاہور سے شائع ہونا چاہیئے تھا لاہور میں چھپ نہ سکا اور کراچی ہی سے شائع ہوا۔ اور جولائی کا پرچہ خاصی تاخیر سے مہینہ کا نصف گذار کر لاہور سے شائع ہو سکا۔ اس کے بعد پرچہ معمول کے مطابق ہونے لگ گیا۔

لاہور پہنچ کر تحریک کو معتد بہ فائدہ ہوا۔ اوائل اکتوبر ۱۹۵۸ء میں بزم ہائے طلوع اسلام کے نمائندگان کا اجتماع لاہور میں ہوا جس کے انعقاد کا کراچی کے قیام میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ازاں بعد پرویز صاحب نے متعدد مقامات کا دورہ کر کے قرآن کی آواز کو ایسے انداز سے لوگوں تک پہنچایا کہ معاندانہ غلط پروپیگنڈے کا خود بخود قلع قمع ہوتا چلا گیا۔ ان خوش قسمت مقامات میں لائلپور، منٹگمری، ملتان، ڈیرہ غازی خان، سرگودھا اور جہلم شامل ہیں۔ لائلپور، منٹگمری، سرگودھا اور جہلم میں پرویز صاحب نے طلبائے کالج سے بھی خطاب کیا اور ملت کے نوجوان طبقہ میں قرآنی روح بیدار کی۔ یہ سب کچھ اس

وجہ سے ہو سکا کہ مرکز کراچی سے منتقل ہو کر لاہور میں آگیا تھا۔ ان خوش آیند نتائج سے قطع نظر لاہور میں پرویز صاحب کی صحت، پر موسم گرما نے تو نہ اثر کیا۔ لیکن بادل اور بارش کی آمد اور تسلسل نے پھر کراچی کی مرطوب آب و ہوا کی سی کیفیت پیدا کر دی اور ڈاکٹروں اور حکیموں کے ساتھ پھر رابطہ قائم ہو گیا۔ اب موسم گرما کی آمد آمد ہے۔ خدا کرے ان کی صحت بہتر ہو جائے۔ اگرچہ لاہور آنے کے بعد کراچی کے مقابلہ میں کام بہت بڑھ گیا ہے۔ اور اس کا اثر بھی ان کی صحت پر پڑ رہا ہے۔

توقعات شروع میں عرض کیا گیا ہے کہ ادارہ جن توقعات کو لے کر لاہور آیا تھا ان میں سے بیشتر ایسی ہیں جو ہنوز محو خواب ہیں۔ خیال تھا کہ لاہور آنے کے بعد تحریک کو فروغ ہوگا اور اس کے لازمی نتیجہ میں ادارہ کا لٹریچر زیادہ فروخت ہوگا اور وہ مالی مشکلات سے نجات پا لے گا۔ لیکن پہلے سال کا تجربہ بالکل برعکس ثابت ہوا ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ ادارہ شروع ہی سے خسارہ میں چلا آرہا ہے۔ اس خسارے کے متعلق اتنی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اگر سوال صرف اخراجات کی زیادتی کا ہوتا تو یہ کہا جا سکتا تھا کہ جس قدر آمدنی ہو اسی کے مطابق خرچ کیا جائے۔ لیکن ادارہ کے سامنے ایک بلند مقصد اور خاص مشن ہے۔ جب اس مشن کا کوئی تقاضا سامنے آتا ہے تو فیصلہ کا مدار اس پر نہیں ہوتا کہ اس کے لئے پیسے موجود ہیں یا نہیں ہیں۔ دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ اس تقاضے کی اہمیت کس قدر ہے اگر وہ تقاضا ایسا ہے جسے روکا نہیں جا سکتا تو اسے پورا کرنے کے لئے جو کچھ بھی خرچ کرنا پڑے اس سے مفر نہیں ہو سکتا۔ یہ ہے خسارہ کی اصل وجہ۔ اور مشن کے جملہ تقاضوں کا تو ذکر ہی کیا ہے ابھی تو صرف ان تقاضوں کو پورا کیا جا رہا ہے جن کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ اگر انہیں پورا نہ کیا گیا تو مشن کو سخت نقصان پہنچے گا اگر مشن کے تمام تقاضوں کو پورا کیا جائے تو اس کے لئے کثیر سرمایہ درکار ہوگا۔ سنہ ۱۹۵۷ء میں خسارہ تقریباً ساڑھے تین ہزار روپے تھا سنہ ۱۹۵۸ء میں (یعنی ادارہ کے لاہور میں منتقل ہونے کے بعد) اس کی آمدنی میں تقریباً بارہ ہزار روپے کی کمی واقع ہو گئی۔ اور خسارہ ساڑھے دس ہزار روپیہ تک پہنچ گیا۔ گہرے سوچ کی بات یہ ہے کہ اگر آمدنی کی یہی حالت رہی تو کام کیسے چل سکے گا۔ خطرہ نظر آ رہا ہے کہ اگر صورت حالات بہتر نہ ہوئی تو خدانخواستہ ادارہ بند ہی نہ ہو جائے۔ یہ وہ بھیانک نتیجہ ہے جس کے لئے نہ آپ تیار ہوں گے نہ میں۔ اشد ضرورت ہے کہ ہم سب میں اپنی اپنی ذمہ داری کا احساس بیدار ہو۔ ادارہ کسی سے کچھ نہیں مانگتا وہ اپنے لٹریچر کی فروخت سے قرآنی پیغام کی نشر و اشاعت کا کام جوں توں چلا رہا ہے۔ لٹریچر کی فروخت سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے اس کی بھی بڑی وجہ یہ ہے کہ مصنف رائلٹی نہیں لیتا۔ اور مصنف رائلٹی کیا لے گا اسے تو ادارہ کا خسارہ بھی خود ہی پورا کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے اس باب میں جو کچھ آپ کریں گے وہ کسی کی ذاتی منفعت کے لئے نہیں ہوگا بلکہ ادارہ کے استحکام اور بقا کے لئے ہوگا۔ ادارہ سے جس قدر تعلق مجھے ہے آپ حضرات کا تعلق اس سے کچھ کم نہیں ہے۔ ادارہ ہم سب کا مشترکہ ادارہ ہے۔ یہ تو محض تقسیم کار ہے کہ متعلقہ حالات کو آپ تک گوش گزار کرنے کا فریضہ مجھ پر عاید ہو گیا ہے۔

پمفلٹ انجمنہائے طلوع اسلام کے ضمن میں چند امور قابل غور ہیں۔ بزموں کا دائرہ عمل قرآنی فکر کی نشر و اشاعت سے وابستہ ہے۔ تجربہ شاہد ہے کہ اشاعت کے کام میں پمفلٹوں کی تقسیم عمدہ نتائج پیدا کرتی ہے۔ متعدد بزموں نے پمفلٹوں کی تقسیم پر زور دیا

اور ہم خیال احباب پیدا کرنے میں کامیاب ہوئیں۔ پمفلٹ کی قیمت کم یعنی دو تین آنے اور اس کا حجم مختصر ہونے کی وجہ سے پڑھنے میں سہولت ہوتی ہے اور قرآن کی بات بآسانی دل میں اتر جاتی ہے۔ اس لئے بزموں کو چاہیئے کہ پمفلٹوں کی تقسیم پر زیادہ توجہ دیں۔ ادارہ نے اعلان کر دیا ہے کہ طلوع اسلام کے پرانے پرچے بزموں کو چوتھائی قیمت یعنی صرف تین آنے فی پرچہ کے حساب سے دے گا۔ یہ پرچے بھی پمفلٹوں کی طرح تقسیم کئے جائیں تو نتائج بہت بہتر نکلنے کی قوی امید کی جا سکتی ہے۔

کمیشن ایجنسی بزموں کے متعلق دوسری بات یہ ہے کہ ہم اکتوبر ۵۸ء کے اجتماع میں طے پایا تھا کہ بزمیں ادارہ سے کتب کی ایجنسی لیں اور جو کمیشن بحالت موجودہ تاجران کتب کو دیا جاتا ہے وہ خود حاصل کریں تاکہ گھر کا روپیہ گھر میں رہے۔ بزموں کی آمدنی میں اضافہ ہو اور اشاعت کا کام زیادہ دلچسپی اور انہماک سے ہونے لگے۔ گذشتہ چھ ماہ میں اس مفید فیصلہ پر بہت کم توجہ ہوئی ہے۔ صرف ایک بزم نے قدم بڑھایا ہے یعنی بزم ڈیرہ غازی خاں۔ بزم پشاور بھی کچھ کرنے کے لئے متفکر معلوم ہوتی ہے۔ دیگر بزموں کو اس مفید فیصلہ پر مزید غور کی ضرورت ہے۔ لیکن معاملہ کا ایک اہم پہلو نظر انداز ہونا نہیں چاہیئے وہ پہلو ایجنسی کے کمیشن سے متعلق ہے اکتوبر کے اجتماع میں یہ فیصلہ ہوا تھا کہ بزمیں ادارہ کے لٹریچر کی ایجنسی لے لیں اور ادارہ انہیں حسب معمول کمیشن دے۔ ایجنسی کے معنی یہ ہیں کہ اس شہر یا علاقہ میں لٹریچر کی فروخت بزم متعلقہ کے ذمہ ہو اور ادارہ کسی اور کو لٹریچر برائے فروخت نہ بھیجا کرے۔ بزموں نے ایجنسی تو لی نہیں لیکن اگر وہ ادارہ سے ایک دو کتابیں بھی منگاتی ہیں تو اس پر کمیشن کا مطالبہ کرتی ہیں۔ اکتوبر کے فیصلہ کا کمیشن کے بارہ میں یہ مطلب ہرگز نہیں تھا ضرورت ہے کہ اس باب میں پوزیشن واضح کر دی جائے۔ ادارہ کے کاروبار کی دو شقیں ہیں۔ ایک ماہنامہ طلوع اسلام کی اشاعت اور دوسری کتب کی فروخت۔ ماہنامہ خود کفیل نہیں ہے۔ اسے ہر سال خسارہ کا سامنا ہوتا ہے سنہ ۵۸ء کا خسارہ تقریباً ساڑھے چھ ہزار تھا۔ ماہنامہ کے خسارہ کو کتب کی فروخت سے پورا کیا جاتا ہے۔ کتب پر منافع کی مقدار تقریباً وہی ہوتی ہے جتنی تاجران کتب کو کمیشن دیا جاتا ہے۔ تاجران کتب کو کمیشن دینے کی وجوہات دو ہیں اول یہ کہ اگر انہیں کمیشن نہ دیا جائے تو وہ ہماری کتابیں کیوں فروخت کریں۔ دوسرے یہ کہ تاجران کتب کی مدد سے قرآنی فکر کی اشاعت کا میدان وسیع تر ہو جاتا ہے گویا کمیشن دے کر ادارہ تبلیغ کے کام کو آگے بڑھاتا ہے۔ اگر تاجران کتب کے علاوہ دیگر خریداروں کو بھی کمیشن دیا جائے (خواہ وہ بزمیں ہی کیوں نہ ہوں) تو وہ منافع جس سے ماہنامہ کا خسارہ جزوی طور پر پورا ہو جاتا ہے ختم ہو جائے گا۔ اور ادارہ کی گاڑی چلنے سے رک جائے گی۔ یا بالفاظ دیگر قرآنی فکر کی اشاعت کا یہ سلسلہ خدانخواستہ معدوم ہو جائے گا۔ یہ وہ بھیانک نتیجہ ہے جس کا قرآن سے وابستہ کوئی فرد یا بزم قطعاً تصور بھی نہیں کر سکتی۔ جس شے کو کتب کا منافع کہا گیا ہے اور جس سے ماہنامہ کا

رائلٹی خسارہ پورا کیا جاتا ہے وہ بھی فی الحقیقت منافع نہیں بلکہ اس کا بیشتر حصہ وہ رقم ہے جو مصنف کو بطور رائلٹی دیا جانا چاہیئے تھا۔ لیکن پرویز صاحب نے اپنا یہ حق ادارہ کو بخش دیا ہے تاکہ قرآن کی تبلیغ میں کام آئے۔ یعنی وہ

اپنی کتابوں پر کوئی رائلٹی نہیں لیتے اور یہی وہ بچت ہے جس سے اشاعتِ فکرِ قرآنی کا سلسلہ قائم ہے۔ ورنہ جیسا کہ آپ احباب کو معلوم ہے، ادارہ کے لئے نہ کوئی مستقل فنڈ موجود ہے نہ کوئی اور ذریعہ آمدنی اور نہ کوئی تنظیم۔ یاد رہے کہ بزمہائے طلوعِ اسلام نے اپنی آمدنی کا کوئی حصہ تاحال ادارہ کی طرف منتقل نہیں کیا ہے۔ ادارہ کو اپنی ہی چادر میں پاؤں پھیلانا پڑتے ہیں۔ اور اس چادر کا تانا بانا سب محترم پرویز صاحب کی ذہنی اور قلمی کاوش اور ایثار کا مرہونِ منت ہے۔

طریقِ کار بزموں کے متعلق تیسری اہم بات وہ پیچیدگیاں ہیں جو یہاں وہاں طریقِ کار کی وجہ سے پیدا ہو جاتی ہیں۔ انگریزی دور میں جمہوریت کا غلغلہ رہا اور اس خاص جمہوریت کا شور ہمارے کانوں میں برابر گونج رہا ہے۔ انتخاب۔ نمائندگی۔ کثرتِ رائے۔ کثرتِ رائے کے لئے جوڑ توڑ۔ ذمہ داری سے گریز۔ اپنی "ناقص رائے" کا اظہار اور اس کے تسلیم نہ ہونے پر ناخوشی اور فرار بلکہ بعض اوقات مخالفت۔ لیکن یہ مخصوص جمہوری طریقِ کار قرآنی طریقِ کار سے دور کا واسطہ بھی نہیں رکھتا۔ قرآنی طریقِ کار میں وہ تمام بک بک کہاں جو جمہوری اندازِ کار میں ہمہ وقت کارفرما رہتی ہے۔ قرآنی طریقِ کار یہ ہے کہ جو معاملہ پیش ہو اس پر غور کرنے میں قرآن کے بتائے ہوئے غیر متبدل اصولوں کو بہرحال سامنے رکھا جاتا ہے۔ اور ان اصولوں سے سرمو تجاوز کو ہرگز برداشت نہ کیا جاتا۔ جمہوری اندازِ کار میں ایسے مستقل اور نہ بدلنے والے اصولوں کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہوتی اس میں تو ہر شے مصلحتِ وقت کے مطابق طے ہوتی ہے۔ لیکن قرآنی طریقِ کار میں مصلحتِ وقت کی بجائے مستقل اقدار پر انحصار کیا جاتا ہے۔ اور جب کسی طریقِ کار کی اصل الاصول مستقل اقدار قرار پا جائیں تو کثرتِ رائے کا طلسم کافور ہو جاتا ہے۔ بزموں کے لئے جو طریقِ کار اصولی ہدایات میں مقرر کیا گیا ہے اس کی اساس مروجہ جمہوریت نہیں ہے بلکہ قرآنی مستقل اقدار ہیں جو جمہوری کثرتِ رائے کی زد سے کلیتہً باہر ہوتی ہیں۔ یعنی کثرتِ رائے مستقل اقدار کو کسی حالت میں بھی بدل نہیں سکتی۔ ہاں قرآنی اصولوں کی چاردیواری کے اندر رہتے ہوئے کثرتِ رائے سے کام لیا جا سکتا ہے۔ بزمیں نمائندہ یا ترجمان کا انتخاب اتفاقِ رائے یا بصورتِ کثرتِ رائے سے کرتی ہیں اور پھر منتخب شدہ افراد کو فرائضِ منصبی کی ادائیگی کے لئے جہاں ذمہ دار قرار دیتی ہیں وہاں معاملات کے طے کرنے میں حقِ فیصلہ بھی انہیں تفویض کرتی ہیں اگرچہ حقِ فیصلہ کے استعمال میں عملی طور پر کثرتِ رائے کو نظرانداز نہیں کیا جاتا۔ یہ سیدھا سادہ طریقہ مروجہ جمہوری انداز کی بک بک سے مامون اور محفوظ ہے۔ اراکینِ بزم کو اس سادگی کی قدر اور کثرتِ رائے کے ڈھونگ سے گریز کرنا چاہیئے۔ بزمیں ہے منتخب شدہ افراد تو ان کی کوشش ہمیشہ یہ ہونی چاہیئے کہ قرآنی اصولوں کو رائج کرنے میں اراکین کا زیادہ سے زیادہ تعاون حاصل کریں۔

نمود پذیر بزموں کے لئے یہ امر باعثِ مسرت ہونا چاہیئے کہ اگرچہ موجودہ ماحول مشکلات سے پُر ہے لیکن فضا میں قرآنی فکر سے مانوس ہونے کے آثار ہر طرف نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ مثال کے طور پر زرعی اصلاحات کو لیجئے۔ زمین پر انفرادی ملکیت کا سوال عرصہ سے معرضِ بحث میں تھا ارباب شریعت کہتے تھے کہ انفرادی ملکیت منصوص ہے کہ جائز ہے بلکہ اس پر کسی قسم کی حدبندی خلافِ مذہب اور مداخلت فی الدین ہوگی جب طلوعِ اسلام کہتا تھا کہ قرآن انفرادی ملکیت کے خلاف ہے تو اس کو طعن و تشنیع کا ہدف بنایا جاتا تھا لیکن واقعہ یہ ہے کہ بالآخر

حکومتِ وقت نے انفرادی ملکیت پر حدبندی کی اور نفاذ کو قرآنی تعلیم سے نزدیک تر کر دیا۔ حکومت کے اس اقدام میں طلوعِ اسلام کی آواز کس حد تک اثر پیدا کر سکی وہ اظہر من الشمس ہے۔ زرعی اصلاحات کے مختلف پہلوؤں کو قرآن کی روشنی میں طلوعِ اسلام کے صفحات میں واضح کیا گیا۔ پرویز صاحب نے زرعی اصلاحات کے کمیشن کے صدر کے نام کھلی چٹھی لکھی، قارئین طلوعِ اسلام نے اس بحث میں نمایاں حصہ لیا جو اخبارات میں زرعی اصلاحات کے سلسلہ میں عرصہ تک جاری رہی۔

تعلیمی کمیشن اور قانونی کمیشن

زرعی اصلاحات کے علاوہ تعلیمی کمیشن اور قانونی کمیشن کے سوالناموں کے جوابات بھی ادارہ نے دیئے اور تعلیمی کمیشن کے صدر کو طلوعِ اسلام کے تعاون کی طرف بذریعہ خط متوجہ کیا۔ نومبر ۱۹۵۸ء کا طلوعِ اسلام شاہد ہے کہ مغربی پنجاب کی ہائیکورٹ کے ایک فیصلہ میں محترم جسٹس ایم آر کیانی نے جو اب چیف جسٹس ہیں، ادارہ کا تذکرہ بزبانِ تحسین کیا ہے۔

نقلِ حدیث

گذشتہ چند ماہ سے طلوعِ اسلام میں ایک جدت کی گئی ہے۔ وہ یہ کہ کتبِ احادیث میں سے ایک قول جو رسول اللہ صلعم کی طرف منسوب اور قرآن کے مطابق ہوتا ہے سرورق پر مع اردو ترجمہ کے نمایاں انداز سے نقل کیا جاتا ہے۔ یہ جدت اس مسلک کی آئینہ دار ہے جس کا اعلان طلوعِ اسلام روزِ اول سے برابر کئے جا رہا ہے گو جسے مخالفین کبھی صحیح طور سے پیش نہیں کرتے بلکہ جھوٹی سچی باتیں منسوب کر کے طلوعِ اسلام اور پرویز صاحب کو منکرِ حدیث، منکرِ رسالت وغیرہ کہہ کر مسلمانوں کو قرآن سے دور رکھنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہے ہیں۔ حدیث کے معاملہ میں طلوعِ اسلام کا مسلک نہایت واضح ہے۔ وہ کہتا ہے کہ وحی کی پوری تعلیم تمام و کمال قرآن کریم میں موجود اور محفوظ ہے۔ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اللہ کے رسول کی وساطت سے دنیا کو ملا ہے جس سے بڑھ کر سچا، دیانتدار اور امین انسان زمرۂ انبیاء سے باہر کہیں نہیں مل سکتا۔ اللہ کا کلام سچا، رسول کی رسالت سچی، کلام کی حفاظت کی ذمہ داری خود خدا پر، اس کے ہر لفظ کے صحیح ہونے پر ہر مسلمان کا پختہ ایمان، پھر قرآن کے خلاف کسی بیان کو کس طرح درست تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ قرآن کریم سے باہر جو معلومات ہیں اور درج ہیں ان میں سے صرف وہ بیان قابلِ قبول ہوگا جو قرآن کے مطابق ہو۔ جو بیان قرآنی تعلیم کے خلاف ہو وہ یکسر غلط اور قطعاً ناقابلِ قبول ہے۔ بنا بریں کتبِ احادیث کے وہ مندرجات جو قرآنی تعلیم کے مطابق ہیں طلوعِ اسلام کو تسلیم ہیں۔ وہ معاندین کے منکرِ حدیث وغیرہ کے پروپیگنڈا کے علی الرغم انہیں اپنے سرورق پر جلی اور نمایاں حیثیت میں ہر ماہ شائع کرتا ہے لیکن غرض اور تعصب کے اندھے کا کیا علاج؟ منکرِ حدیث کی رٹ حسبِ سابق جاری ہے۔

مطبوعات

راولپنڈی کنونشن کے بعد ادارہ طلوعِ اسلام نے چار کتابیں شائع کیں (۱) شعلۂ مستور (۲) من و یزداں (۳) تاریخ الامت جلد ششم اور (۴) جیب القرآن۔ اسی دوران میں پانچ پمفلٹ بھی چھاپے، تین اردو میں اور دو انگریزی میں۔ نقش تیرے کیسے مٹ سکتے ہیں، من و یزداں، رحمۃ للعالمین اردو میں۔ انگریزی کے پمفلٹ معاشیات اور دستورِ پاکستان سے متعلق ہیں۔ معاشیات کا پمفلٹ اس مقالے پر مبنی ہے جو پرویز صاحب نے جنوری ۱۹۵۸ء میں لاہور کی بین الاقوامی مجلس مذاکرہ میں پڑھا تھا اور دستور کے پمفلٹ میں وہ سب کچھ درج ہے جو طلوعِ اسلام نے روزِ اول سے اس موضوع پر لکھا ہے خصوصاً وہ جو ۱۹۵۶ء کے مرحوم دستور پاکستان کی تشکیل، ترمیم اور تنسیخ کے سلسلہ میں شائع ہوا۔

مالیات

ڈیڑھ سال کے عرصہ میں چار کتابیں اور پانچ پمفلٹ شائع کرنا کسی ادارہ کیلئے قابلِ فخر کارنامہ تصور نہیں ہو سکتا خصوصاً ایسے ادارہ کیلئے جس نے قرآنی فکر کی نشر و اشاعت کا بیڑا اس دور میں اٹھایا ہو جس میں توہمات، رسمیات، روایات اور انسانی تصورات کے پیچھے لگ کر بعض

توتوں نے ہزار سال کے طویل عرصہ میں قرآنی تعلیم کو اپنی تہ در تہ تاریکیوں میں چھپا دیا ہے۔ ادارہ طلوع اسلام بے بضاعت ہے اور مالی مشکلات کا ہمہ وقت شکار۔ وسائل کی کمی اس کے عزائم کے آڑے آتی ہے۔ باوجود اس کم مائیگی کے ادارہ کامیاب ہے۔ اس کا پیغام دور دراز گوشوں میں پہنچ رہا ہے اور فضا کو قرآن فہمی کے لئے برابر صاف کر رہا ہے۔ کامیابی کا راز خود قرآنی تعلیم کی بلندی اور جاذبیت میں مضمر ہے۔ ادارہ کی اصل کامیابی کی وجہ اس کا اندرونی ربط ہے جس کے سامنے مخالفوں کا ہجوم بادلوں کی طرح چھٹ جایا کرتا ہے۔ ادارہ کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتا، نہ چندہ طلب کرتا ہے نہ عطیہ۔ وہ اپنی مطبوعات فروخت کرتا ہے اور یوں اپنے آپ کو قائم رکھنے کی جدوجہد میں مصروف ہے۔

پیشگی خریداران

چھ سال قبل ادارہ نے پیشگی خریداران کا سلسلہ شروع کیا تھا جس سے آپ میں سے اکثر واقف ہیں۔ پیشگی خریدار ایک سو روپے یکمشت یا باقساط ادارہ کو بھیج دیتا ہے۔ جواباً اسی ایک سو روپے کی مالیت کی مطبوعات ادارہ پیشگی خریدار کو وقتاً فوقتاً بھیجتا رہتا ہے اور خرچ ڈاک بھی خود ہی برداشت کرتا ہے۔ پیشگی خریدار کو اس کے ایک سو روپے مطبوعات کی شکل میں گھر بیٹھے واپس پورے کے پورے مل جاتے ہیں۔ پیشگی ادائیگی کا فائدہ یہ ہے کہ جمع شدہ رقوم سے تازہ کتابوں کے لئے کاغذ خریدا اور ان کی کتابت اور طباعت کا انتظام ہو جاتا ہے۔ پیشگی ادائیگی سے جہاں قرآنی فکر کی اشاعت میں مدد ملتی ہے وہاں پیشگی خریدار کو اپنی رقم تمام و کمال واپس مل جاتی ہے۔ اشاعت میں مدد کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ پیشگی خریداران کے سلسلہ کے آغاز سے ادارہ کم و بیش دو درجن کتابیں شائع کر چکا ہے۔ یہ دو درجن کتابیں کبھی شائع نہ ہو سکتیں اگر یہ سلسلہ معرض وجود میں نہ آتا۔ گذشتہ چھ سال میں تقریباً پونے چار سو احباب نے پیشگی خریداری قبول فرمائی۔ ان میں سے پچاس سے زائد کھاتے بند ہو چکے ہیں اور اکتیس کھاتے میں زر پیشگی سے زائد رقم کی کتب مہیا کی جا چکی ہیں۔ راولپنڈی کنونشن کے بعد سے صرف ستائیس نئے احباب نے سلسلہ میں شرکت فرمائی ہے۔ ایسے پیشگی خریداروں کی تعداد جن کے زر پیشگی کا بیشتر حصہ واپس کیا جا چکا ہے اور قلیل حصہ ادارہ کے پاس باقی ہے صرف ڈھائی سو کے قریب ہے۔ سلسلہ کی اہمیت مسلّم ہے۔ اسے جاری رکھنا اور تیز تر کرنا ضروری ہے۔ یہ اکتوبر ۵۸ء کے اجتماع میں بزموں کی توجہ اس طرف خاص طور پر مبذول کی گئی تھی اور طے پایا تھا کہ ہر رکن خود پیشگی خریدار بنے اور کوشش کرے کہ کم از کم ایک پیشگی خریدار ہر سال مہیا کرے لیکن بزموں نے اس کی طرف خاص توجہ نہیں دی۔ ضرورت ہے کہ اس فیصلہ کو عملی شکل دی جائے۔

نیا آئین

ادارہ طلوع اسلام کا مقصد قرآنی معاشرہ کی تشکیل اور نظام ربوبیت کا قیام ہے۔ پہلے پاکستان میں، پھر مسلم ممالک میں اور بالآخر تمام دنیا میں۔ قرآنی نظام کی خصوصیات کیا ہیں، یہی کہ کوئی شخص دوسرے کا محتاج نہ ہو، خود کو تنہا، بیکس اور لاچار محسوس نہ کرے۔ ضروریات زندگی کھانا، کپڑا، گھر، تعلیم، علاج معالجہ مہیا ہوں۔ قدرتی استعداد کے مطابق مرضی سے کام کاج کر سکے، باہمی عزت و تکریم ہو۔ یا یوں کہئیے کہ ایک آدمی کو انسان بننے کے مواقع میسر ہوں۔ کون بدبخت ایسے مبارک معاشرہ کی تشکیل کا خواہاں نہیں ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ اسی قرآنی نظام کے لئے پاکستان کا مطالبہ کیا گیا اور اسی کا قیام عمل میں آیا تھا لیکن ہماری بدقسمتی کہ پاکستان بننے کے بعد بنیادی مقصد نظروں سے اوجھل اور دل سے دور ہو گیا تا آنکہ گذشتہ دستور نے قرآنی نظام کے راستے میں مستقل رکاوٹیں کھڑی کر دیں۔ الحمد للہ گذشتہ کا نام نہاد اسلامی آئین کالعدم ہو چکا ہے اور قرآنی نظام کے قیام کی امیدیں پھر تازہ ہو گئی ہیں۔ ارباب حکومت کی زبان سے روزانہ اعلان ہوتے رہتے ہیں کہ نیا دستور مسلمانوں کے تصور حیات کے مطابق جلد بنے گا اور جلد باشندگان ملک سے اس پر استصواب رائے کیا جائے گا۔ سوچئے سمجھئے کہ دستور کے صحیح خطوط پر تشکیل کرنے کی ذمہ داری بنیادی طور پر پاکستانیوں پر عائد ہوتی ہے۔ اگر عوام نے مطالبہ کیا کہ دستور قرآنی خطوط پر بنے تو پھر وہ غیر قرآنی خطوط پر ہرگز نہیں بن سکتا۔ طلوع اسلام ہر ممکن کوشش کرے گا کہ آئین کے لئے قرآنی اصولوں کو تسلیم کیا جائے لیکن آپ سب کا اہم ترین فریضہ ہے کہ تن من دھن سے رائے عامہ کو بیدار کریں اور یہ مطالبہ شد و مد سے کرائیں کہ آئین پاکستان قرآن کی دی ہوئی زندگی کی مستقل اقدار پر مبنی ہونا چاہیے۔ اس اہم فریضہ کی ادائیگی کے لئے کنونشن میں پروگرام طے کیجئے اور [illegible] ... کوشش کیجئے۔ ان تنصروا اللہ ینصرکم و یثبت اقدامکم۔ عبدالرب۔ ناظم ادارہ طلوع اسلام

پیشکش

برائے طباعت لغات و مفہوم القرآن

(بزمہائے طلوع اسلام)

ضلع	مقام	وعدہ	ادائگی	باقی	کیفیت
پشاور	خاص	۲۰۰۰	۱۶۶۰	۳۴۰	نشان زدہ (x)
جہلم	سید حسین	۶۰	۶۰	-	بزمیں منظور شدہ
جھنگ	خاص	۵۰۰	۲۳۰	۲۷۰	نہیں ہیں
حیدرآباد	ٹنڈو محمد خان	۲۰۰	-	۲۰۰	
خلیج فارس	x قطر۔ امسعید	۹۰۰	-	۹۰۰	
	x کویت	۲۳۵	۲۳۵	-	
ڈیرہ غازی خان	خاص	۲۵۰	۲۵۰	-	
	جام پور	۲۰۰	-	۲۰۰	
راولپنڈی	x ٹیکسلا	۵۰	۳۵	۱۵	
	واہ چھاؤنی	۶۷۵	۵۵۰	۱۲۵	
x سرگودھا	خاص	۵۰۰	۳۰۰	۲۰۰	
سیالکوٹ	"	۵۰۰۰	۳۰۰۰	۲۰۰۰	
شیخوپورہ	"	۲۰۰	۲۰۰	-	
کراچی	"	۵۵۰۰	۵۵۰۰	-	

ضلع	مقام	وعدہ	ادائگی	باقی	کیفیت
کوہاٹ	ہنگو	۱۰۰	۱۰۰	-	
کوئٹہ	خاص	۱۵۰	-	۱۵۰	
گجرات	*دینہ منڈی	۲۰۰	۱۷۵	۲۵	
	*قادر آباد	۱۰۰	-	۱۰۰	
	*قاضیاں	۳۰۰	-	۳۰۰	
*گوجرانوالہ	خاص	۲۰۰	۱۲۰	۸۰	
*لاڑکانہ	"	۳۰۰	۱۲۵	۱۷۵	
لاہور	(مرکزی فنڈ)	۲۴۴۱	۲۴۴۱	-	
	خاص	۵۰۰۰	۹۸۱/۲/۶	۴۰۱۸/۱۳/۶	
	قصور	۱۰۰	۱۰۰	-	
لائلپور	خاص	۵۰۰	۴۰۰	۱۰۰	
مردان	"	۱۰۰۰	۱۰۰۰	-	
ملتان	پنج کسی	۳۰۰	۲۰۰	-	
*منٹگمری	خاص	۲۰۰	۲۰۰	-	
	*اوکاڑہ	۱۰۰۰	۶۰۰	۴۰۰	
ہزارہ	*ایبٹ آباد	۲۰۰	-	۲۰۰	
میزانِ بزمہائے		۲۸،۲۴۱	۱۸،۴۴۲/۲/۶	۹،۷۹۸/۱۳/۶	

انفرادی

نام معطی	ضلع	مقام	وعدہ	ادائگی	باقی	کیفیت
نور خاں صاحب	اٹک	پنڈی گھیب	(۳۰)	۲۰	-	

نام معطی	ضلع	مقام	وعدہ	ادائیگی	باقی	کیفیت
رب نواز صاحب	جہلم	میراں شاہ	(۱۰)	۱۰	-	
ڈاکٹر یوسف علی صاحب	پشاور	خاص	۱۰۰	۱۰۰	-	
عبدالکریم صاحب	تھرپارکر	جمیس آباد	۱۰۰	۱۰۰	-	
ماسٹر علی اکبر صاحب		کنری	(۵۰)	۵۰	-	
خواجہ رسول صاحب	جہلم	پنڈدادنخاں	۱۰۰	-	۱۰۰	
گل نواز خاں صاحب		ڈنڈوت	۲۰۰	۲۰۰	-	
میر تجمل حسین صاحب	جھنگ	خاص	۵۰۰	۵۰۰	-	
شیر محمد صاحب		چک ۴۸۰ ج ب	(۷۲)	۷۲	-	
حافظ شاہ حسینی صاحب	حیدرآباد	ٹنڈو محمد خاں	۵۰	۵۰	-	
محمد فاضل صاحب	راولپنڈی	خاص	۱۰۰	۱۰۰	-	
ثریا عندلیب صاحبہ		واہ چھاؤنی	(۱۰۰/۸)	۱۰۰/۸	-	
معونت اللہ خاں صاحب	سیالکوٹ		۱۰	۱۰	-	
عبدالعزیز صاحب	سعودی عرب	داہران	(۲۰۰)	۲۰۰	-	
محمد اسحٰق میر صاحب		"	(۲۰۰)	۱۵۱/۶/-	۴۸/۱۰/-	
محمد اسلم قریشی صاحب		"	(۲۰۰)	۲۰۰	-	
ملک محمد اشرف صاحب		"	(۱۰۰)	۱۰۰	-	
محمد اشرف درانی صاحب		"	(۱۰۰)	۱۰۰	-	
محمد اقبال صاحب		"	(۱۰۰)	۱۰۰	-	
مقبول احمد میر صاحب		"	(۲۰۰)	۲۰۰	-	
خان اکرام اللہ صاحب		"	(۱۰۰)	۱۰۰	-	
اسد حمید صاحب	کراچی	خاص	(۱۰۰)	۱۰۰	-	
حاجی خیر محمد صاحب پراچہ		"	(۶۰۰۰)	۶۰۰۰	-	
حافظ برکت اللہ صاحب		"	۵۰۰	۵۰۰	-	
روشن خاں صاحب		"	۲۰۰۰	۲۰۰۰	-	

نام معطی	ضلع	مقام	وعدہ	ادائیگی	باقی	کیفیت
شیخ امین صاحب	کراچی	خاص	۵۰۰	۵۰۰	-	
شہاب الدین احمد صاحب		”	(۵۰)	۵۰	-	
مسٹر صالح محمد صاحب		”	(۵)	۵	-	
عبدالحفیظ صاحب		”	(۲۰۰)	۲۰۰	-	
مرزا عبدالحق صاحب		”	(۲۰)	۲۰	-	
علاء الدین صاحب		”	(۱۰۰)	۱۰۰	-	
کلیم اللہ خاں صاحب		”	(۱۰۰)	۱۰۰	-	
گمنام		”	(۲۵)	۲۵	-	
مشتاق حسین صاحب		”	۵۰۰	۵۰۰	-	
محمد افضل صاحب		”	۵۰۰	۵۰۰	-	
محمد حنیف صاحب		”	-	۵۰۰	-	
محمد شفیع صاحب		”	۲۵۰۰	۲۵۰۰	-	
مسز عبداللہ جان صاحبہ		”	(۶۰)	۶۰	-	
منصور احمد ٹبہ صاحب		”	(۲۵۰۰)	۲۵۰۰	-	
طاہر ابرار انصاری صاحب	کوہاٹ	خاص	(۱۵)	۱۵	-	
محمد حسین حکیم صاحب	گجرات	”	(۱۰۰)	۱۰۰	-	
عبدالرؤف صاحب		جلالپور جٹاں	۵۰	۵۰	-	
مولینا قاضی محمد رفیق صاحب		قاضیاں	۱۰	۱۰	-	
محمد شفیع صاحب	لاہور	خاص	(۵۰)	۵۰	-	
گمنام		”	(۲۰۰)	۲۰۰	-	
مسعود جان صاحب		”	(۵۰)	۵۰	-	
مشتاق احمد صاحب		”	(۱۰۰)	۱۰۰	-	
حکیم سعید احمد چودھری صاحب		”	(۱۰۰)	۱۰۰	-	
عبداللہ خاں صاحب	لائلپور	گوجرہ	۲۰۰	۲۰۰	-	

نام معطی	ضلع	مقام	وعدہ	ادائیگی	باقی	کیفیت
ماسٹر نور دین صاحب	لائلپور	گوجرہ	(۵۰)	۵۰	-	
ڈاکٹر انور علی صاحب	مردان	خاص	۵۰۰	۵۰۰	-	
حاجی فقیر محمد صاحب		"	۱۰۰۰	۱۰۰۰	-	
رانا حفیظ جالندھری صاحب		"	۱۰۰۰	-	۱۰۰۰	
ڈاکٹر رضا محمد خاں صاحب		"	۵۰۰	۲۰۰	۳۰۰	
فضل کریم صاحب		"	۱۰۰	۱۰۰	-	
محمد شعیب صاحب		چارباغ	(۱۰)	۱۰	-	
حکیم فضل خالق صاحب		"	(۱۰)	۱۰	-	
حکیم احمد الدین صاحب	ملتان	پنج گسی	(۲)	۲	-	
جمال الدین خان صاحب		میاں چنوں	(۱۰۰)	۱۰۰	-	
محمد خلیل اللہ صاحب	نواب شاہ	ٹنڈو آدم	(۱۰)	۱۰	-	
میزان (انفرادی)			۲۳,۳۲۹/۸/-	۲۱,۸۸۰/۱۳/-	۱۴۴۸/۱۱/-	

خلاصہ

پیشکش	وعدہ	ادائیگی	باقی
پیشکش بزمہائے طلوع اسلام	۲۸,۲۲۱/-	۱۸,۴۴۲/۲/۶	۹,۷۹۸/۱۳/۶
" انفرادی	۲۳,۳۲۹/۸	۲۱,۸۸۰/۱۴	۱,۴۴۸/۱۰
میزان کل	۵۱,۵۵۰/۸	۴۰,۳۲۳/۰/۶	۱۱,۲۴۷/۷/۶

نوٹ: اجلاس کنونشن میں بزموں اور افراد سے ۱۲۵ روپے مزید وصول ہوئے۔

روئیداد کنونشن صفحہ ... سے آگے

کے پیشِ نظر پرویز صاحب نے فیصلہ کیا کہ سورۂ فاتحہ کے مفردات کے جو معانی اس لُغت کی رُو سے متعین ہوئے ہیں انہیں احباب کے سامنے پیش کیا جائے۔ لیکن وہ ابھی عربی زبان کی اہمیت اور خصوصیات کے تمہیدی بیان کے بعد، سورۂ فاتحہ کے ابتدائی الفاظ تک ہی آنے پائے تھے کہ زور کی بارش آگئی اور اس محفل کو بصد حسرت ختم کرنا پڑا۔ اس مرتبہ شرکائے کنونشن نے پھر اپنے تقاضے کا اعادہ کیا اور کہا کہ سورۂ فاتحہ کے مفردات ہی کو درس کا موضوع بنایا جائے۔ اس سلسلے میں آغازِ تقریر کرتے ہوئے پرویز صاحب نے فرمایا۔

"قرآن کی لغت اور مفہوم کے سلسلے میں میری فکر انگیز زیاں، عرق ریزیاں اور شب بیداریاں اب تکمیل کو پہنچا چاہتی ہیں۔ لغت مکمل ہو چکا اور اس کا مفہوم بھی (لغات اور مفہوم قرآن) اب صرف ان کی طباعت باقی ہے۔ اس لغت کے تعارف سے آپ کو بخوبی اندازہ ہو سکے گا کہ یہ قرآن کو سمجھانے میں کس قدر ممد و معاون ثابت ہو گی۔"

"میں تمہیداً یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ قرآن کا دعویٰ ہے کہ وہ آسان کتاب ہے اور ہمارا اس دعوے پر ایمان ہے۔ خود قرآن عربی کے معنی لغوی طور پر واضح قرآن کے ہیں۔ قرآن کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ وہ سمجھنے کے لئے بڑا آسان ہے۔ لیکن جس طرح خارجی اثرات اور وقت کی رفتار سے الفاظ کے مفہوم بدل جاتے ہیں اسی طرح قرآن کے الفاظ کا مفہوم بھی ان اثرات سے محفوظ نہ رہ سکا۔"

پرویز صاحب نے اس سلسلے میں بعض الفاظ کی مثالیں پیش کیں۔ اور کہا کہ یہی وہ ضرورت تھی جس کی بناء پر آیاتِ قرآنی کے مفہوم کے سلسلے میں مجھے عربی کی مستند لغاتوں سے کام لینا پڑا اور الفاظ کے مادوں سے قرآن کریم کے مختلف مقامات کی روشنی میں ان کا مفہوم مرتب کرنا پڑا۔ ازاں بعد پرویز صاحب نے سورۂ فاتحہ کے ایک ایک لفظ کا مفہوم عربی زبان کی مستند لغتوں سے بالتفصیل واضح کیا۔ اس تفصیل کی روشنی میں سورۂ فاتحہ کے ہر لفظ کا مفہوم انسانی فکر کے لئے اس قدر عظیم و موجبِ انقلاب نظر آیا کہ حاضرین عش عش کر اٹھے۔ اور لغوی طور پر ہر لفظ کا مفہوم واضح کرتے ہوئے جب انہوں نے بحیثیت مجموعی سورۂ فاتحہ کا ترجمہ پیش کیا تو مروجہ بے روح ترجموں کے مقابلے میں ان وجد آفریں معانی و مطالب پر ہر شخص جھوم اٹھا۔ پرویز صاحب اس بیان سے کتاب اللہ کی عظمت کے زرفشاں نقوش دلوں میں قائم کر رہے تھے۔ ان کے قلب و ضمیر گواہی دے رہے تھے کہ اگر کتاب اللہ کو علم و فکر کی اس بلندی سے پیش کیا جاتا تو آج پوری نوعِ انسانی اس چشمۂ نور سے مالا مال ہو رہی ہوتی اور انسانی زندگی میں ایسی فصلِ بہار کا سماں بندھ چکا ہوتا جس کی شادابیاں کبھی ختم نہ ہوتیں۔ تین گھنٹے کے بعد، کتاب اللہ کی عظمت سے معمور دل لے کر جب یہ محفل برخاست ہوئی تو سب کی روحوں پر وجد کی کیفیت طاری تھی۔

ساتویں نشست (یومِ اقبال کی تقریب) ۲۱ اپریل۔ (۹ بجے صبح) یومِ اقبال کی نسبت سے عالمِ اسلام کے اس حکیم عظیم اور مفکرِ جلیل کی بارگاہ میں نذرِ عقیدت پیش کرنے کے

اس سہانی مجلس کا انعقاد چوہدری عبدالرحمٰن صاحب کی صدارت میں ہوا۔ مندوبین و مبصرین کے علاوہ جہاں لاہور کے حلقے میں لاہور کی ممتاز شخصیتیں رونق افروز تھیں۔ سپریم کورٹ کے سابق جج اور لاء کمیشن کے سابق چیرمین جسٹس شریف، ابوالاثر حفیظ جالندھری۔ حکیم عبدالکریم ثمر کے علاوہ شہر کے ممتاز ایڈوکیٹ، ڈاکٹر، انجنیئر الغرض ہر شعبۂ زندگی سے متعلق معزز شخصیتیں موجود تھیں۔ جسٹس شریف اور حفیظ جالندھری تو کئی اہم مجالس کی دعوتیں مسترد کر کے اقبال کے متعلق پرویز صاحب کا علم افروز اور حسنکر [?] انگیز خطاب سننے آئے تھے۔ تمام پنڈال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ تلاوتِ کلام پاک اور خلیل مرزا کی نظم کے بعد محترم صفدر سلیمی صاحب نے حاضرین سے خطاب کا آغاز کیا۔ ان کا موضوع تھا —

اقبالؒ —— ایک مجسم انقلاب کی حیثیت سے

آغاز تقریر میں انہوں نے اسے حُسنِ اتفاق کا کرشمہ قرار دیا کہ یوم اقبال کی تقریب اور کنونشن کا انعقاد یکجا ہو گیا ہے اور یہ حُسنِ اتفاق اس یک رنگی اور ہم آہنگی کا مظہر ہے جو اقبالؒ اور ادارۂ طلوعِ اسلام میں پہلے دن سے قائم چلی آ رہی ہے۔ بزمِ طلوعِ اسلام کا کاروانِ شوق آج قرآنی فکر و نظر کی انہی قندیلوں کی روشنی میں آگے بڑھ رہا ہے جو اقبال نے روشن کیں۔

صفدر سلیمی صاحب نے اقبالؒ کے فلسفۂ انقلاب کی تفصیل پیش کی اور مملکتِ پاکستان کے قیام کو اس فلسفۂ انقلاب کا شاہکار اور اقبال کی فتح عظیم قرار دیا۔

آخر میں انہوں نے واضح کیا کہ اقبال کی روح ہم سے مطالبہ کر رہی ہے کہ پاکستان کی تعمیرِ نو اسی کے فلسفۂ انقلاب اور فکر و نظر کی روشنی میں ہو۔ اس نشانِ منزل کی روگردانی ہماری تاریخ کا المناک حادثہ بن جائے گی اور تاریخ کبھی اس ماتم سے فارغ نہیں ہو سکے گی۔

صفدر صاحب کو مبداء فیض کی طرف سے، قلم اور زبان دونوں پر یکساں قدرت ودیعت ہوئی ہے۔ ان کی تقاریر کا ہمیشہ انتہائی ذوق و انہماک سے استقبال ہوتا ہے۔ لیکن انہوں نے اس مرتبہ، اجتماع کی اہمیت اور موضوع کی نزاکت کے پیشِ نظر مناسب سمجھا کہ برجستہ تقریر کرنے کے بجائے، مقالہ پڑھا جائے۔ ان کے مقالہ میں مضمون کی بلندی کے ساتھ الفاظ کی دلآویزی [?] بھی شامل تھی جس نے اسے گہری جاذبیتوں اور دلچسپیوں کا مرقع بنا دیا۔ چنانچہ سامعین نے انتہائی توجہ کے ساتھ سنا۔ یہ مقالہ بھی طلوعِ اسلام میں شامل ہو رہا ہے۔

صفدر سلیمی صاحب کے خطاب کے بعد جناب ثمر اور ابوالاثر حفیظ جالندھری نے اپنے مخصوص لہجے میں اپنا کلام پیش کیا اور حاضرین کو مسحور کر دیا۔

ئ جیسا کہ ملحقات میں بتایا جا چکا ہے، بزم میلاد [?] کا یہ حصہ جو محترم سلیمی صاحب سے متعلق ہے، ادارۂ طلوعِ اسلام کا مرتب کردہ ہے۔ سلیمی صاحب نے خاکہ کے اس حصہ کو خالی چھوڑ دیا تھا۔ (طلوعِ اسلام)

اب محترم پرویز کی باری تھی۔ حاضرین ان کا گرانمایہ خطاب سننے کے لئے ہمہ تن گوش بر آواز تھے۔ کتاب اللہ کا مفسرِ جلیل اور اقبال کا ترجمان قلندرانہ شان سے سٹیج پر سوار ہوا اور پنڈال کی پوری فضا ہمہ تن گوش نظر آنے لگی۔ آغازِ خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا۔

"طلوعِ اسلام سے دلچسپی رکھنے والے اس قلبی تعلق سے بخوبی آگاہ ہیں جو مجھے حضرت علامہ کی ذات سے تھا۔ لیکن شاید اس عقیدت و احترام کا اندازہ نہ لگایا جا سکے جو ان کے لئے میرے دل کی گہرائیوں میں موجزن ہے۔ اور ان کا وہ احسانِ عظیم جس سے میری گردن جھکی جا رہی ہے یہ تھا کہ انہوں نے مجھے قرآن سمجھنے کے قابل بنایا۔ یہ قرآن تھا جس نے آدمی کو "مقامِ آدم" سے روشناس کرایا۔ اس نے وہ حقیقت عظیم قصۂ آدم میں حسین انداز کے تمثیلی رنگ میں بیان کی اور پھر اقبال نے اپنے مخصوص انداز میں اس کی تفسیر کی۔ آج کی مجلس میں میں اقبال کے اس پیغام کو قرآن کی روشنی میں بیان کروں گا کہ — آدم کیا ہے؟ — وحی کی روشنی نے اسے کیا سمجھایا اور کیا سے کیا بنا دیا۔ اور پھر اقبال نے اپنے ڈرامائی انداز میں اس حقیقت کی نقاب کشائی کس طرح کی۔"

اس مرحلے پر پرویز صاحب کے اندازِ خطابت کا رُخ بدل گیا۔ وہ قرآن کی روشنی اور اقبال کی زبان سے والہانہ ڈرامائی انداز میں مقامِ آدم کی نقاب کشائی کر رہے تھے۔ پنڈال کے طول و عرض میں بے مثال خاموشی کا دور دورہ تھا اور جذب و مستی کی نہرِ سلسبیل دلوں میں دوڑ رہی تھی۔ — آدم کون تھا؟ اس کی زندگی کا آغاز کیونکر ہوا؟ اس نے کس حسین انداز سے جہانِ نو کی طرح ڈالی؟ اس کی جہانگیریوں اور عالم آرائیوں کا سلسلہ دراز کہاں سے کہاں تک پہنچا؟ چمنستانِ حیات میں اس نے کیا کیا گل کھلائے اور کیا کیا بوقلمونیاں کیں؟ وحی کی راہ نمائی کے بغیر وہ کس طرح یفسد فی الارض و یسفک الدماء کا پیکر بنا اور پھر وحی کی روشنی نے اسے کس طرح ہر قسم کے خوف و حزن سے نجات دلائی۔ قرآن کی روشنی، اقبال کی زبان اور پرویز کا حسنِ بیان — گویا موسمِ بہار میں ابرِ بہار جھوم جھوم کر اٹھا۔ جھوم جھوم کر برسا اور قلب و نظر کی کشتِ نو بہار کی شادابیوں میں ایسا نکھار پیدا کر گیا جس پر فصلِ گل ہمیشہ ناز کرے گی۔ جب قریب دو گھنٹے کے بعد اس "آسمانی ڈرامہ" کا آخری سین "ندائے جمال" کے بلاوے پر آدم کے اس جواب پر ختم ہوا کہ —

باغِ بہشت سے مجھے حکمِ سفر دیا تھا کیوں
کارِ جہاں دراز ہے اب مرا انتظار کر

تو ہر قلب یہ محسوس کر رہا تھا گویا وہ آسمان کی بلندیوں کی سیر کرنے کے بعد پھر اس خاکدانِ ارضی پر واپس آ گیا ہے اور اس پیشکش کے متعلق ہر شخص کے زبان پر تھا کہ:

آفاقہا گردیدہ ام — مہرِ بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام — لیکن تو چیزے دیگری

الوداعی نشست

کھانے کے بعد، کاروانِ عشق و مستی کے یہ افراد، کشاں کشاں پنڈال کی طرف آگئے تاکہ رخصت ہونے سے پہلے، اپنے محبوب دل نواز سے الوداعی پیغام حاصل کرلیں۔ کنونشن کی الوداعی نشست ہمیشہ مختصر لیکن اثر و ہمدردی کی شدتوں میں ڈوبی ہوئی ہوتی ہے۔ احباب کے دل میں اس کا اثر ضرورًا ضرورًا ہوتا ہے لیکن پرویز صاحب پر اس کا مجموعی اثر ہوتا ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس رخصتی کے وقت ان کے دل پر حسرت پر کیا گزرتی ہے۔ وہ مائک پر آئے تو ان کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا رہے تھے، اور ان کے سامنے احباب میں سے بھی کسی کی آنکھ ایسی نہ تھی جو اشکبار نہ ہو۔ وہ خطیب سحر بیاں، جو مشکل سے مشکل موضوع پر گھنٹوں مسلسل اور بے تکان بولتا چلا جاتا ہے مائک پر ساکت و صامت کھڑا تھا۔ ہجومِ جذبات نے اس کے دل کو طلسم پیچ و تاب بنا رکھا تھا۔ اس کی زبان سے ایک لفظ نہیں نکلتا تھا۔۔۔ اس نے بصد مشکل لب کشائی کی اور جب آنسوؤں سے بھیگی ہوئی آواز میں احباب سے کہا کہ

حیرت ہے غم کدہ میں خوشی کا گذر کہاں
تم آگئے تو رونق کاشانہ ہوگئی

تو پنڈال کے مختلف گوشوں سے ہچکیوں کی آواز سنائی دینے لگی۔ انھوں نے اپنے آپ کو بمشکل سنبھالتے ہوئے کہا کہ آپ احباب قرآن کا پیغام سننے کے لئے یہاں جمع ہوئے۔ اب اس پیغام کو لے کر اپنے اپنے مقام پر واپس جائیے اور اسے ان لوگوں تک پہنچائیے جن تک ابھی یہ نہیں پہنچ سکا۔ لیکن ایسا کرتے وقت، اس بات کو ہمیشہ سامنے رکھئے کہ قرآن کے پیغام میں اپنے ذاتی میلانات و رجحانات اور خیالات و تصورات کی ذرا سی بھی آمیزش نہ ہونے پائے۔ خدا کے پیغام میں انسانی خیالات کی آمیزش شرکِ عظیم ہے جس سے بچنا نہایت ضروری ہے۔

دوسری اہم چیز یاد رکھنے کے قابل یہ ہے کہ آپ کے کردار و گفتار سے کوئی ایسی بات سرزد نہ ہونے پائے جس میں فرقہ بندی کا شائبہ تک بھی پایا جائے۔ فرقہ بندی بھی قرآن کی رُو سے شرک ہے جس سے اجتناب اشد ضروری ہے۔

تیسری بات یہ کہ میں جو کچھ قرآن کریم کے متعلق کہتا ہوں وہ میرا فہمِ قرآن ہے۔ اور کسی انسان کا فہمِ قرآن حرفِ آخر نہیں ہوسکتا۔ میری تمام کوششوں اور کاوشوں کا مقصود یہ ہے کہ آپ حضرات براہ راست قرآن کریم پر غور و تدبر کریں اور اسے خود سمجھنے کی کوشش کریں۔ قرآن ہر شخص کو دعوتِ فکر و تدبر دیتا ہے۔

اس مختصر لیکن جامع پیغام کے بعد انھوں نے حسبِ سابق یہ کہہ کر احباب کو رخصت کیا کہ

وداع و وصل جداگانہ لذتے دارد　　　ہزار بار برو صد ہزار بار بیا

اس پیغام کے خاتمے پر، تمام احباب، اس شمع قرآنی کے گرد پروانہ وار جمع ہوگئے اور قلوب کی تلاطم خیزیوں اور آنکھوں کی شبنم فشانیوں کے ساتھ ایک ایک دوست اپنے حبیب صادق سے گلے مل کر رخصت ہوا۔ اس کیف و درد سے پُر

منظر کی یاد، آئندہ اجتماع تک، احباب کے دلوں میں شمعِ نورانی بن کر جگمگاتی رہے گی۔

رخصت ہونے سے پہلے، مولانا عبدالرب صاحب، ناظمِ ادارہ طلوعِ اسلام نے حسبِ ذیل قراردادیں پیش کیں جنہیں حاضرین نے قلب کی گہرائیوں سے اُبھرتی ہوئی تائید کے ساتھ منظور کیا۔

قرارداد (I): ادارۂ طلوعِ اسلام کنونشن کی کامیابی پر بزمہائے طلوعِ اسلام کو مبارکباد پیش کرتا ہے جنہوں نے صرف کثیر اور دور و دراز کے سفر کی صعوبتوں کے باوجود مندوبین کو بھیجا اور انہوں نے اس کی کارروائی میں شب و روز حصہ لے کر پورے پورے تعاون کا ثبوت دیا۔ ادارہ ان حضرات کا بھی شکریہ ادا کرتا ہے جنہوں نے بحیثیت مبصر کنونشن میں شرکت فرمائی اور قرآنی فکر کی اشاعت سے اپنی عملی ہمدردی کا اظہار کیا۔

قرارداد (II): طلوعِ اسلام کنونشن اس کنونشن کے نظم و نسق کے روحِ رواں اور کنونشن کمیٹی کے صدر محترم چوہدری عبدالرحمٰن صاحب کے عظیم اور قابلِ قدر انتظامات کے سلسلے میں ان کی خدمت میں انتہائی خلوص سے نذرِ تحسین و آفرین پیش کرتا ہے۔ اور اس حقیقت کا سچا احساس رکھتا ہے کہ چوہدری صاحب ممدوح کی گراں قدر مساعی نے کنونشن کو نشانِ منزل کی حیثیت عطا کی ہے۔ نیز دیگر ارکان اور منتظمین کی خدمت میں بخلوصِ قلب ہدیۂ امتنان و تشکر پیش کرتا ہے کہ انہوں نے شبانہ روز انتھک جد و جہد سے اپنی ذمہ داریوں کو حسن و خوبی سے تکمیل تک پہنچایا۔ بالخصوص محترم سراج الحق صاحب۔ مرزا محمد غالب صاحب۔ عبداللطیف نظامی صاحب۔ ڈاکٹر احمد حسن صاحب۔ محمد سرور خاں صاحب۔ چوہدری افتخار احمد صاحب۔ خواجہ محمد حسین صاحب۔ امیر دین اینڈ برادرز ولی محمد صاحب۔ غلام علی صاحب۔ چوہدری محمد جہانگیر صاحب۔ عنایت اللہ صاحب اور حاجی چوہدری محمد رفیع صاحب۔

محترم مرزا علی احمد صاحب (پشاور) نے نمائندگان کی طرف سے ادارۂ طلوعِ اسلام اور چوہدری عبدالرحمٰن صاحب کی خدمت میں ہدیۂ تشکر پیش کیا اور چوہدری صاحب نے تمام احباب کا دلی شکریہ ادا کیا۔

اور سب نے اس اجتماع کے حسن و خوبی سرانجام پا جانے پر بدرگاہِ ربّ العزت سرِ نیاز خم کیا۔ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْر

تکملہ: لغات و مفہوم القرآن کے لئے پیش کش کے سلسلہ میں حسبِ ذیل رقوم دورانِ کنونشن میں وصول ہوئیں جو اس گوشوارہ میں شامل نہیں جو ناظمِ ادارہ نے اپنی رپورٹ کے ساتھ پیش کیا تھا اور جو ذرا آگے چل کر قارئین کے سامنے آئے گا۔

معطی	ضلع	مقام	وعدہ	مندرجہ گوشوارہ	ادائیگی دورانِ کنونشن	باقی	کیفیت
بزم	جھنگ	خاص	۶۰۰	۲۳۰	۵۰	۳۲۰	
"	راولپنڈی	"	۵۰۰	—	۵۰۰	—	"وعدہ" کا اعلان نہیں کیا تھا۔
"		واہ چھاؤنی	۷۷۵	۵۵۰	۱۲۵	۱۰۰	
"	سیالکوٹ	"	۵۰۰۰	۳۰۰۰	۵۰۰	۱۵۰۰	
ڈاکٹر عنایت محمد خان صاحب	مردان	خاص	۵۰۰	۲۰۰	۳۰۰	—	
ابوالاثر حفیظ جالندھری صاحب	"	"	۱۰۰۰	—	۳۰۰	۷۰۰	

فہرست مندوبین و مبصرین

(جو کنونشن میں شریک ہوئے)

پشاور

خاص	یوسف ضیاء صاحب	مندوب
"	مرزا علی احمد صاحب	"
"	عبدالرحیم صاحب	"

جہلم

خاص	سید محمد حسین شاہ صاحب	مندوب
پنڈدادنخاں	حافظ عبدالمجید صاحب	"
"	عبدالرحیم خاں مہاجر صاحب	"
"	خواجہ خدا بخش صاحب	"
"	خواجہ غلام رسول صاحب	"
سید حسین	سید امیر حسین شاہ صاحب	"

جھنگ

صدر	ظفر عباس قریشی صاحب	مندوب
"	میر تجمل حسین صاحب	"
صدر	محمد یٰسین صاحب	مندوب
کلری	محمد خاں خالد صاحب	"
چک ۲۳۸	مستری غلام محمد صاحب	"
چنیوٹ	نور محمد صاحب	"
"	سید حامد شاہ صاحب	"
"	ماسٹر فیروز خاں صاحب	"
"	مستری کریم بخش صاحب	"
"	چودھری چراغ محمد صاحب	"
"	شیخ محمد اقبال صاحب	"
"	حاجی محمد حنیف صاحب	مبصر
"	ابوالسیف مولانا عتیق الرحمٰن صاحب	"
"	مولوی عبدالعزیز صحرائی صاحب	"
"	سردار احمد خاں صاحب	"

حیدرآباد

ٹنڈو محمد خاں	حافظ شاہ حسینی صاحب	مندوب

ٹنڈو محمد خاں	فدا احمد سرہیہ صاحب	مبصر
"	عبدالمجید شوق صاحب	"
	شمس العارفین شاہ صاحب	"
	قادر بخش بھٹی صاحب	"

ڈھاکہ

خاص	قاضی امین العالم صاحب	مبصر

ڈیرہ غازیخاں

خاص	مشتاق احمد چغتائی صاحب	مندوب

راولپنڈی

خاص	چودھری فیروز دین بھٹی صاحب	مندوب
"	نذیر صدیقی صاحب	"
"	ظہور الحق صاحب	"
"	محمد اقبال صاحب	"
"	طاہر زمار صاحب	"
"	عبدالحی صاحب مشتاق	"
"	نیاز محمد اختر صاحب	"
"	یوسف مرحدی صاحب	"
"	عبدالحمید صاحب	"
"	یوسف شاہ صاحب	"
"	آصف حسین صاحب	"
"	محمد عباس صاحب	"

خاص	غ۔ ح شاد صاحب	مندوب
"	محمد صادق صاحب	"
"	عزیز الرحمٰن صاحب	مبصر
"	شریف صاحب	"
"	محمد دین صاحب	"
"	عبداللہ جان صاحب	"
مری	ملک محمد حنیف ہمدانی صاحب	مندوب
ٹیکسلا	حافظ غلام ربانی صاحب	مبصر
"	میاں محمد داؤد صاحب	"
	نذیر احمد بٹ صاحب	"
(کوٹلی ستیاں)	صوبیدار منور خاں صاحب	"
	محمد بشیر صاحب	"
واہ چھاؤنی	محمد شفیع صاحب	مندوب
"	نجابت خاں صاحب	"

سرگودھا

چک [illegible] شمالی	چوہدری نصراللہ خاں صاحب	مندوب
"	چوہدری محمد نواز صاحب	"
"	چوہدری الطاف حسین صاحب	"
خاص	حکیم حسن محمد صاحب نظامی	مبصر
"	مولوی محمد جمیل صاحب	"
"	مرزا عبدالرشید صاحب	"
سلانوالی	ملک اللہ بخش صاحب	"
چک [illegible] شمالی	احمد دین صاحب	"

سیالکوٹ

چونڈہ	بشارت علی صاحب	مندوب
"	محمد رفیق قریشی صاحب	"
خاص	چودھری حاکم دین صاحب	"
"	مبعوث اللہ خاں صاحب	"
"	ریاست دین صاحب	مبصر
"	اظہار خاں صاحب	"
"	محمد اسلم صاحب	"
"	چودھری فیروز الدین صاحب	"
"	محمد یوسف ریٹائرڈ صاحب	"
"	شفیق احمد قریشی صاحب	"
"	محمد حسین جوش صاحب	"
"	ملک صلاح الدین صاحب	"
"	محمد سبحانی صاحب	"
"	محمد شریف صاحب	"
"	ایم۔ ڈی۔ بھٹی صاحب	"

شیخوپورہ

ننکانہ صاحب	مرزا غلام حیدر صاحب	مندوب
خاص	ملک عبدالحق صاحب	"
ننکانہ صاحب	چوہدری عبدالکریم صاحب	"
دولو جاگو	حکیم رحمت علی صاحب	"
رام نگر	مہر الدین صاحب	"
چوہڑکانہ منڈی	چوہدری محمد حیات صاحب	"
خاص	شوکت علی صاحب	"
خاص	غلام جیلانی صاحب	مندوب
"	شیخ عبدالحمید صاحب	"
"	پیر محمد یعقوب شاہ صاحب ہاشمی	"
"	رانا سعید احمد صاحب	"
مجدرد	چوہدری محمد اسمٰعیل صاحب	"
ننکانہ صاحب	حکیم محمد حنیف صاحب	"
"	محمد صدیق صاحب	"
چیچو کی ملیاں	شیخ گلزار حسین صاحب	"

کراچی

خاص	میاں عبدالخالق صاحب	مندوب
"	محمد شفیع صاحب	"
"	مرزا محمد افضل صاحب	"
"	حافظ برکت اللہ صاحب	"
"	وزیر محمد صاحب	"
"	گلزار حسین صاحب	"
"	فضل محمد سبحانی صاحب	"
"	لطیف الرحمٰن صدیقی صاحب	"
"	رضوان الحسن صاحب	"
"	ملک عبدالوحید صاحب	"
"	محمد اسلام صاحب	"
"	بخت جمال خاں صاحب	"
"	حکیم حسنی صاحب	مبصر

کوہاٹ

ہنگو	خداداد خاں صاحب	مندوب

ہنگو	نواب خان صاحب	مندوب
"	شیر محمد صاحب	مبصر
"	رب نواز خان صاحب	"
"	عنایت اللہ خان صاحب	"
"	محمد ہمایوں صاحب	"

گجرات

خاص	مرزا غلام حسین صاحب	مبصر
"	عبدالرؤف صاحب	"
"	خداداد صاحب	"
"	غلام مصطفیٰ صاحب	"

گوجرانوالہ

خاص	خواجہ محمد حسین صاحب	مندوب
"	عبدالعزیز نیاز صاحب	مبصر
"	چوہدری عمر حیات صاحب	"

لاہور

مندوبین

چوہدری افتخار احمد صاحب
چوہدری عبدالرحمٰن صاحب
عبداللطیف نظامی صاحب
مرزا محمد خلیل صاحب
ڈاکٹر احمد حسن صاحب
امیر دین صاحب
شیخ سراج الحق صاحب
محمد سرور خان صاحب

مبصرین

محمد الدین صاحب
ملک محمد یعقوب صاحب
مثال محمد صاحب
غلام محمد صاحب
محمد ایوب صاحب
محمد یوسف قاضی صاحب
امیر الدین صاحب
مشتاق احمد صاحب
غلام رسول صاحب
محمد بشیر صاحب
محمد اشرف صاحب
عبدالقدیر صاحب
عبدالقیوم قادری صاحب
خادم حسین صاحب
عبدالغفور صاحب
محمد دین صاحب گنج مغلپورہ
صوبے خان صاحب
عبدالمجید صاحب
مقبول حسین صاحب
محمد یوسف صاحب بی۔ اے آنرز
محمد نذیر صاحب
حافظ عالم دین صاحب
کشور پٹھان صاحبہ
ریحانہ مسعود جان صاحبہ
دین محمد صاحب
ولی محمد صاحب
نذیر احمد صاحب
قمر دین صاحب
ناصر محمود صاحب
انتظام علی صاحب
محمد شریف صاحب
الہام علی صاحب
ایم عزیز صاحب
شوکت حسین صاحب
خالد انور صاحب
عبدالمجید صاحب
عبدالرحیم صاحب
محمد دین صاحب
عبدالشکور صاحب
نذیر احمد صاحب
محمد ابراہیم صاحب
اخلاق احمد صاحب
مظفر احمد صاحب
محمد جاوید صاحب
ڈاکٹر صدیق صاحب
محمد اشرف صاحب
میر محمد شفیع صاحب
حاجی مقبول احمد صاحب
عبدالغفور صاحب
مبارک علی صاحب
محمد عمر صاحب
چوہدری محمد مالک صاحب
چوہدری محمد شریف صاحب
بشیر احمد چوہان صاحب

بشیر احمد صاحب	غلام رسول صاحب	اظہر سعید صاحب	محمد رمضان صاحب
ظفر سلیم صاحب	تاج الدین صاحب	محمد اسلم صاحب	اشرف علی صاحب
عبدالمالک صاحب	محمد بشیر صاحب	محمد جہانگیر صاحب	عبدالرحیم صاحب
سید افتخار حسین صاحب	اکرام الحق صاحب	خورشید احمد صاحب	دلاور حسین صاحب
محی الدین جاوید صاحب	عبدالحق صاحب	محمد علی صاحب	حکیم علی احمد صاحب
عبدالرحمن اعجاز صاحب	ایم قادر صاحب	محمد خالد صاحب	علم دین صاحب
میاں بشیر احمد صاحب	محمد اسلم صاحب	میاں فضل الرحمن صاحب	مستری قمرالدین صاحب
ایم۔ ڈی مرزا صاحب	میاں عبدالحق صاحب	اے۔ ایم۔ آغا صاحب	ظفر علی صاحب
محمد اکرام صاحب	عزیز بیگ صاحب	ظفر مسعود صاحب	شفیق احمد صاحب
کرم الٰہی صاحب	صوفی محمد عبداللہ صاحب	محمد زکریا صاحب	افتخار احمد صاحب
ذوالفقار احمد صاحب	شیخ رحمت اللہ صاحب	محمد سعید صاحب	حکیم عبدالقیوم صاحب
نصیر بیگ صاحب	چوہدری عبدالحمید صاحب	عبدالغفور صاحب	محمد اسمٰعیل صاحب
خورشید عالم صاحب	عباس علی شاہ صاحب	عبدالرشید صاحب	عبدالرحمن صاحب
ارشد مرزا صاحب	فضل الٰہی صاحب	اشفاق الرحمن صاحب	فتح محمد غازی صاحب
عبدالغفور صاحب	فضل احمد صاحب	محمد حسین صاحب	عبدالمجید صاحب
ابوالفضل صاحب	محمود سرور روہیلہ صاحب	محمد اسمٰعیل صاحب	حسام الدین سندھو صاحب
محمد شریف صاحب	نیاز علی صاحب	عبدالخالق صاحب	فیاض احمد صاحب
محمد صدیق صاحب	عبداللہ ذیلدار صاحب	محمد یٰسین صاحب	مرزا منور صاحب
نور محمد صاحب	ڈاکٹر عبدالحمید صاحب	محمد طفیل صاحب	اختر مرزا صاحب
سلامت اللہ صاحب	حافظ ظفر الاسلام صاحب	مولانا صغیر احمد صاحب	محمد یوسف صاحب
عبدالعلی صاحب	محمد بشیر صاحب	چوہدری نواب خان صاحب	محمد اقبال این پروین رقم
شیخ محمد خلیل صاحب	محمد افضل صاحب	آغا حمید احمد خاں صاحب	ماسٹر انصاری صاحب
خالد محمود صاحب	حسن ریاض صاحب	ریاض احمد صاحب	عبدالرب صاحب
منظور حسین صاحب	محمد مبارک صاحب	محمد اقبال صاحب	میر ساقی صاحب
محمد صادق صاحب	حکیم سعید احمد پھلوری صاحب	عطاء اللہ قریشی صاحب	برکت علی صاحب

عبدالناصر صاحب
سعید احمد صاحب
محمد وسیم صاحب
ملک محمد حیات صاحب
ڈاکٹر مہر عبدالحق صاحب
محمد اسمٰعیل صاحب
شیخ محمد لطیف صاحب
خالد حنیف صاحب
حافظ ریاض احمد صاحب
چوہدری عبدالمجید صاحب
فضل الٰہی صاحب
عمر دین صاحب
محمد طفیل صاحب
رفیق احمد صاحب
ریاض الحق صاحب
عبدالعزیز صاحب
محمد سردار حیات صاحب
محمد رفیع صاحب
محمد صادق صاحب
عبدالحفیظ صاحب
ایم۔ آر۔ شیخ صاحب
محمد خالد صاحب
محمد اسمٰعیل صاحب جھنگ
پروفیسر عبدالحمید بیگ صاحب
سعید الحسن صاحب

عبدالغنی صاحب
رحیم بخش صاحب
محمد سعید میاں صاحب
محمد عباس صاحب
چوہدری رشید احمد صاحب
پیرزادہ گلزار احمد صاحب
شیخ محمد صاحب
عبدالکریم صدیقی صاحب
صوفی عنایت اللہ صاحب
شمشیر خاں صاحب
چوہدری محمد یٰسین صاحب
محمد یونس صاحب
ریاض الدین صاحب
حاجی محمد رفیع صاحب
ملک جلال دین صاحب
مظاہر حسین صاحب زیدی
کاکا عزیز دین صاحب
الحسن محمود صاحب
خلیفہ محمد شفیع صاحب
خلیفہ محمد اصغر صاحب
محمد عاشق صاحب
میاں فیروز دین صاحب
چوہدری عبدالقادر صاحب
افتخار احمد صاحب
میاں محمد شفیع صاحب

ملک محمد منیر صاحب
سیٹھ محمد اکرام صاحب
حبیب اللہ صاحب
محمد علی بھٹی صاحب
چوہدری اللہ دتہ صاحب
عبدالحمید صاحب
حافظ سرور بیگ صاحب
عنایت اللہ صاحب
چوہدری محمد جہانگیر صاحب
میاں محمد اسمٰعیل صاحب

لائلپور

مندوبین

چوہدری نذیر احمد صاحب
(سمندری)
صوبیدار یوسف علی صاحب
(چک ۱۹۹ ع ب)
عبداللہ خاں صاحب
(گوجرہ)
محمد اشرف صاحب لائلپور خاص
ایم عبدالرشید صاحب "
جناب نواب خاں صاحب "
ماسٹر عزیز الدین صاحب گوجرہ
صوبیدار عبدالمجید صاحب
(چک ۲۳۷ گ ب)

مردان

مندوبین

ڈاکٹر رضا محمد خاں صاحب
عبدالحکیم صاحب
حاجی فقیر محمد خاں صاحب

مبصرین

محمود علی صاحب
محمد اقبال خاں صاحب
محمد علی خاں صاحب

ملتان (چھاؤنی)

مندوبین

ملک غلام حسین صاحب
محمد یامین صاحب
حکیم احمد دین صاحب
عبدالغنی صاحب
محمد شفیع صاحب
نذیر احمد صاحب
عطا محمد صاحب

ملتان (خاص)

مبصر

محمد انور صاحب